

اقبال احمد رضا

مدحت گران پیغمبر

۱۹۶۷

حکیم الامت علامہ اقبال اور مجدد ملت احمد رضا بریلوی کی قدر مشترک عیش و دل شہر

راجا رشید محمود ایم اے

ندیم پبلیشرز

صفیہ منزل، آوٹ فال روڈ، لاہور

اقبال احمد رضا

مدحت گران پیغمبر

۱۹ ۶ ۷۷

حکیم الامت علامہ اقبال اور مجدد ملت احمد رضا بریلوی کی قدر مشترک - عشق رسول ﷺ

راجا رشید محمود ایم اے

ندیم پبلیشرز

صفیہ منزل، آؤٹ فال روڈ، لاہور

عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کے اس جذبے کے نام

جس سے ایمان کی بنیاد قائم ہے

اشاعت اول ————— دسمبر ۱۹۷۷ء

اشاعت دوم ————— نومبر ۱۹۷۹ء

اشاعت سوم ————— نومبر ۱۹۸۷ء

تعداد ————— ۲۰۰۰

مطبع ————— آئی سی پرنٹرز لاہور

ناشر ————— ندیم پبلیشرز

قیمت

دس روپے

عاشقانِ مکتائے روزگار

۱ ۳ ۵ ۷ ۹ ۱۱

فہرست

۱	فناء و کفر کے اندھیرے اور نورِ مصطفیٰ
۲	کائنات کے محسن آہنا
۱۰	کاروانِ حیات کے لیے سارہ نور
۱۲	قرآن و احادیث میں عشقِ رسول کی اہمیت
۱۴	قرعید و رسالت
۱۶	عیدِ میلاد النبی اور سالِ ولادتِ اقبال
۱۸	درجِ رسول
۲۰	عشقِ مصطفیٰ اور اقبال و احمد رضا
۲۲	حبیبِ تربیت کا فیضان
۲۴	پیشہ و راسخِ عربی و نہ دھڑکی بھوک
۲۶	اقبال و احمد رضا کا تعلق
۲۸	مختصر بین سرکارِ دو عالم کا سامنا کرنے کا احساس
۳۰	روزِ عشاق کا دوبارہ رسول ہیں مقام
۳۲	کلام میں ارشادِ اہلِ قرآن و احادیث کا عکس
۳۴	اہم محسنہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

قرت کیسے ہر ذکرِ دہانِ عشقِ رسول
انہی کے دم سے ہے قائم جہانِ عشقِ رسول
عطا ہو اذنِ محکم جو دل کے زخموں کو
غمِ فراق میں سوزِ دروں کی لذت کو
جہانِ عشقِ انہی کی ضیا سے روشن ہے
دو عاشقانِ رسولِ کریم کا یہ ذکر
وہ خوش نصیب تھے محبتِ گرانِ پیغمبر
شور و فکر رہے ان کے وقتِ غیبِ طیب
کھلے ہوئے ہیں بہرِ شو صدائقِ بخشش
چلوئے راہروانِ برہِ خلوص و نیاز
ہے وہ قدس کو معلوم شانِ عشقِ رسول
ہیں جن کے قلب و نظر ترجمانِ عشقِ رسول
ترچہ کریں یہ بیانِ دوستانِ عشقِ رسول
وہ جانتے ہیں جو ہیں کشمکشِ عشقِ رسول
مرد و نجوم ہیں دیرانگانِ عشقِ رسول
ہے بہرِ اہلِ وفا ارشادِ عشقِ رسول
تھے اعلیٰ حضرت و اقبال کا عشقِ رسول
تھا ثابت ان کے دلوں پر نشانِ عشقِ رسول
ہے خلدِ قلب و نظر دوستانِ عشقِ رسول
رداں ہے سونے جاس کا دارِ انِ عشقِ رسول

قر ہے جن سے عطرِ نگار خانہ عشق
ہے دو صحیفہٴ غیرِ نشانِ عشقِ رسول
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رشتہٴ خاندانِ شہزادانی

۶۱۹۷۷

پڑا نہ ضلعِ سیالکوٹ

فساد و کفر کے اندھیرے اور نور مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)

انسانیت کی تیا قہزم خصیہ ان د کفر کے چکروں کے حوالے تھی کہ محبوب کبریا علیہ التحیۃ والثناء نے اس کی ناعدائی کا بیڑا اٹھایا۔ دُنیا علیہ نفس کا شکار تھی۔ زبردست کی شہنشاہی اور کمزور کی تباہی کے مَن تھے۔ خالق و مالک خدائے مہربان کے بھتے بے جاں تہوں کو میوٹنایا گیا تھا۔ عوامشوں کو پوجا جاتا تھا۔ عالم انسانیت وحشت و بربریت کا مرقع بن چکا تھا۔ عورتوں سے حقوق زندگی چھین لیے گئے تھے۔ غریبوں کی زندگی اُن کے کندھوں کا بوجھ بن گئی تھی۔ شرک بدعت کا دور دورہ تھا۔ حقوق العباد غصب کرنا، عظمت کراڑی کی ریل بن گیا تھا۔ جہالت کی تاریکیاں اذان و قلوب پر چھا چکی تھیں۔ صداقت، ہدایت کے چشمے لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔ ایسے خدائے وحدہ لا شریک نے ایک بے مثال مٹی کو دُنیا نے آب گل میں بھجا۔ وہ مٹی جسے اس نے سب سے پہلے پیدا کیا تھا۔ جس کے لئے سب کچھ تخلیق کیا تھا۔ رشد و ہدایت کا یہ سرچشمہ عرب کے شہر مکہ مکرمہ سے ہنوا۔ کفر و الحاد کے جھٹ پٹے چھٹ گئے، توحید کا سورج طلوع ہوا۔ بدالہ جبے نور الہیہ والحدیث کی آمد نے اس دُنیا کے تیر و تار کو مطلع انوار بنا دیا۔

لاکھائے عالم میں ہدایت کا اصل ذریعہ انبیائے کرام ہیں۔ انہی سے صداقت کی کمریں پھرتی ہیں اور دُنیا کو بقدر نور بناتی ہیں۔ انہی سے اخوت و مروت کی شمعیں جلتی ہیں اور بغض و کینہ و فساد کے اندھیرے کو گھٹاں کو منور کرتی ہیں۔ انبیائے کرام میں سب سے زیادہ اہمیت ہمارے آقا و مولا کو ہے، جو امام الانبیاء ہیں، کو بیت المقدس میں تمام انبیائے ان کا اقتدار میں نماز ادا کی۔

۴۴

۵۱

۵۲

۵۹

۶۱

۶۳

۶۴

۶۵

۶۶

۶۷

۶۸

۶۹

۷۰

۷۱

۷۲

۷۳

۷۴

۷۵

حس مصطفیٰ

احمد رام رسول

کریم رسول

عید میلاد النبی

نور مصطفیٰ

رازم "عبدہ"

خدا و رسول

سراج النبی

ختم نبوت

حیات النبی

حاضر و ناظر

علم غیب

سرکار کی قدرت

شفیع روز شمار

مدینہ حقیقہ میں ماحضری کی تمنا

نت و نیت

کتا بیت

تبصرے

رسول سے اُن کے پیچھے نماز اٹھتے ہیں کیوں کھڑے ہوں

کہ وہ بھی سرکار کی بدولت وجود میں آئے تھے عدم سے

سرکار نبی الہیہ میں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمام انبیاء کی ارواح سے اُن کی نبوت کا صنف لیا تھا۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ لَمَا آتَيْنَاكَ مِنْ كِتَابٍ وَ

حِكْمَةٍ مَشْرُوحَةٍ كُلُّ رُسُولٍ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى النَّاسِ إِذْ أَتَاكُمْ فِي الْمَدِينَةِ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى النَّاسِ إِذْ أَتَاكُمْ فِي الْمَدِينَةِ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى النَّاسِ إِذْ أَتَاكُمْ فِي الْمَدِينَةِ

ذَلِكَ مِمَّا أَوْفَرْنَا. قَالُوا أَتُوقِرُكُمْ وَتَأْتِيكُمْ بِالْحَقِّ قَالُوا أَتُوقِرُكُمْ وَتَأْتِيكُمْ بِالْحَقِّ قَالُوا أَتُوقِرُكُمْ وَتَأْتِيكُمْ بِالْحَقِّ

مِنَ الشُّهُدَاءِ (سُورَةُ آلِ عَرَفٍ آیت ۸۱-۸۲)

اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا۔ جو میں تم کو

کتاب اور حکمت دونوں پر تشریف لائے تھے کہ اس سے وہ رسول

جو کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے۔ تو تم ضرور ضرور اُن پر

ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا

اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا۔ سب نے عرض کی ہم نے اقرار

کیا۔ سنایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور کیا آپ تمہارے

ساتھ گواہوں میں ہوں۔

کائنات کے محسن آقا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بمن انسانیت ہیں۔ انہوں نے اپنے ابدی اصولوں 'سنہری

ارشادات اور روشنی کدو کے باعث انسانیت کو قبرِ مذلت کے غم سے ہم ادھی و بھت

نکب پہنچایا۔ وہ غریبوں کے حامی غلاموں کے مولا اور بے کسوں کے دشمن ہیں کہ انہوں نے

زبردستوں کو زبردستوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی بہت بخشی اور حوصلہ شکن حالات اور بہت کم

میں انسانی مساوات کی ایسی تعلیم دی جس کی تابانی و درخشانی کے سامنے غیر اسلامی نظام آنکھیں

موندنے 'دم مار دے پڑے ہیں۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مظلوموں کے خیرگیر اور بھلاؤں

غریبوں 'ناچاروں کے پشت پناہ تھے۔ دشمن ہیں ان کی صداقت و امانت کے مزاج و معشر ہے۔

جو تیرے جان کے دشمن تھے کہ وہ بھی کہتے تھے

ایمن تو ہے 'صداقت کی ابرو تو ہے ،

انسان کو حقیقی کامیابی و کامرانی اور نفع و بہبود کا راستہ فخرِ موجودات علیہ السلام و الصلوٰۃ نے

دکھایا۔ غلاموں کی تنہائیوں کو روشن کرنے والے نے گویا کے درد و رنج سے انسانوں کے دلوں تک

کو تابدہ و درخشندہ کر دیا۔ ہم خدا کے تصور سے بیگانہ تھے ، جس سرکار نے اس تک پہنچایا۔ ہم

اپنے آپ سے ناواقف تھے ، ہمیں عرفانِ نفس دیا۔ ہم نفس کے دھوکے میں آگئے تھے ، بھاری بھر

کیا۔ ہماری رفتار میں وقار اور گفتگو میں جیدگی رہی ، ہمیں ان لوگوں سے آشنا کیا۔

پہلے انسان انسان کا محتاج تھا۔ میرے آقا نے اس احتیاج کے تصور تک کو سنا کر انسان

کو صرف خدا کے در تک پہنچنے کی نگہ لگائی۔ صاحبِ رلاک آقا نے حریت فکر کی تشکیل کی ،

مساوات و اخوت انسانی کی تائیس کی اور تحقیق و تصور کو شمع و شرف کی بنیاد گہرائیوں سے انداک

تک پڑا کر تعلیم دی۔ آپ کی تشریف آوری سے پہلے آدمیت غلامی کی زنجیروں میں مقید و

محبوس تھی۔ آپ نے ہمیں وہ ہر حق حیات دیا ، اُس اسلوب زندگی کی تلقین کی جس میں

انسانیت کی فلاح کا لازماً مضمر تھا ، جس میں آزادی منکر و خیال کی نیر تھی ، احساس کی نعمت

تھی۔ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم نے نئی نوع انسان کی رنگ ، بود و صانعیتوں کو اپنے اقوال

و افعال اور اعمال صالحہ سے متعلق کیا۔ انہوں نے ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی قرار دیا

اور عالم ایکاد میں موجود رنگ و نسل کے تمام امتیازات کو مٹ کر آدمی کو اتحاد و یکا رنگت کی راہ پر

چلا دیا۔ انہوں نے بائیس قلوب کی اخوت و محبت کی غیر محسوس زنجیروں کو ذہن و حواس

پر نافذ کر دیا ، ملت کو جسد و جہد بنا دیا۔

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے محسن ہیں کہ انسانیت کو انہوں نے دینی فلاح اور اخروی نجات کا راستہ دکھایا۔ آپ خالق کائنات کے محبوب اور مدح ہیں کہ قرآن مجید آپ کی تعریف و ثناء سے بھرا پڑا ہے۔ سرکار میرے محسن ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو میں کہاں ہوتا۔ آپ خدا کے بندے ہیں انکے نبی اور رسول ہیں اس کے محبوب ہیں اس کے علاوہ باقی ہر چیز آپ کی مرہونِ محبت ہے آپ کی مدح ہے آپ کے عشق کا دم بھرتی ہے۔ کیونکہ اگر سرکار نہ ہوتے تو فرد کی تخلیق نہ ہوتی، معاشرہ نہ بنتا، ملک وجود میں نہ آتے، زمین و آسمان کا تصور مہیوم و مہرہم ہوتا، کائنات معرضِ وجود میں نہ آتی۔ اونٹ کی غفلت، آسمان کی رفعت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ پہاڑ کیسے نصب ہوتے اور زمین کس طرح مسطح ہوتی۔ خدا کا نام لیا کون ہوتا۔ اس کی تسبیح و تحمید کون کرتا۔ یہ سب کچھ تو سرکار کے فیض سے ہے ان کے وسیلے اور واسطے سے ہے۔

غیر موجودات سرور کائنات علیہ السلام و الصلوٰۃ نہ ہوتے تو ربِ کیم اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا، کائنات کو پیدا نہ کرتا۔

کاروانِ حیات کے لیے منارۂ نور

تاریخ کے صفحات پر بڑے بڑے باجرات شہنشاہوں کے تذکرے بکھرے پڑے ہیں لیکن ان کی جبروت و عظمت نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے تدموں میں پناہ تلاش کی، ان کی کشور کشائیوں کو حضور کے نام لیاؤں نے اپنے پیروں تلے روند ڈالا اور قیصر و کسریٰ کے سران و لوگوں کے سامنے خم ہو گئے، ابو حضور کے نام نامی کے احترام میں سر جھکا دیا کرتے تھے۔ جھگڑوں نے دینا مستحکم کی، توار کے زور سے اپنا لوہا منوایا، بڑے بڑے خطائے ارض پر حکومت کی مگر شاہ اُٹم نے اپنے اخلاقِ عاید سے بھیداروں کے منہ پھیر دیے، ذہنوں کو حق کی طرف مائل کیا اور دلوں پر چکرائی فرمائی۔ انبیاء و رسل نے اپنے اپنے حیطہ اختیار کے لوگوں کو مراطِ مستقیم

دکھایا مگر نبی الانسبیاد اور انفس المرسل کا پیغام عالمگیریت کا حامل ہے، انہیں پوری نعتِ نذ کی دہری اور دہنائی کا فریضہ سونپا گیا تھا اور حضور کے بعد نبوت و رسالت کا سلسلہ ہمیشہ اپنے بندہ کو دیا گیا۔ حضور صرف اپنی امت ہی کے لئے رُؤف و رحیم نہیں، عالمین کے لئے رحمت ہیں۔ ان کی شفاعت صرف مسلمانوں ہی کی نہیں، پہلے انبیاء اور ان کی امتوں کی بھی دیکھی ہے۔ اگر شہنشاہ کو یمن کی معرفت نصیب نہ ہوتی تو طالبانِ حق حقیقت کو کیسے پاتے! اگر حضور کا، سوہِ حسد و نہال نہ کرتا تو دنیا و آخرت میں سرخروئی کس کو حاصل ہوتی۔ اگر آپ کی تعلیمات و ارشادات اور آپ کی سیرتِ پاک دیکھ کر نہ کرتی تو حیاتِ انسانی کی کونسی تہذیب و تمدن اور معاشرت و مدرست میں خوشگوار اور صحت مند انقلاب کیسے آتا۔ آقا کا نورِ معاد نہ کرتا تو تاریک و گمراہی سے نجات کیسے ملتی۔ اگر آپ کے کردار و گفتار سے ہم مستفید نہ ہوتے تو حیاتِ انسانی پریشاں نظری کا شکار رہتی، ہم قیامت تک فطری اور نظری بحری بیخود ہیں جھٹکتے پھرتے۔ آپ نے ایسا جامع نظامِ حیات ممکن بنا دیا زندگی اور بے مانع فلسفہ علی پیش کیا جس کی مثالی کسی اور نظام سے ممکن ہی نہیں۔ اس نظام نے ہمیں زندگی کے تمام شعبوں میں اپنا اصول ملے۔ معاشرت، معیشت، عقائد و عبادات، تعلیم، حکومت و سیاست، غرض کوئی پہلو ایسا نہیں جھکے، نہ نظامِ مصطفیٰ میں کمل رہنما موجود نہ ہو۔ آقا نے ہمیں کسی بھی پہلو سے کسی اور دور پر درپور نہ گری کا متاع نہیں رہنے دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس رحمت کی وہ گنجائش ہے جو خشک اور بھری گیتوں پر برسی تو کفایت و عظمت کے گدہ بد ختم ہو گئے، بے بود گیوں اور بد عقیدہ گیوں کی دھواں بیٹھ گئی، نظم و استبداد کی عدتِ خشکی میں تبدیل ہو گئی اور بد اخلاقِ دہے جانی کے جھگڑ دم توڑ گئے۔

رحمتِ عالمین کی بارانِ فیضان و کرم سے انسانیت کو کفر کے چب سے نجات مل گئی، خیر و برکت کے سبزہ و گل کی انزائش ہوئی اور ظلم و عدوان کے بے برگ و بار ماحول میں لالہ و نسترن بکھل گئے۔

رحمت عالم محمد بن عبد اللہ علیہ السلام کے نقوش قدم کا وہاں حیات کے لئے بیدار نور بن گئے۔ حضور جو مسلمانوں کے لئے رحمت و رحیم ہیں ان کے لئے حریف ہیں تمام جہانوں کے لئے رحمت بھی ہیں۔ نکتہ قابلِ اہلی کی تفسیر حضور آفرینش کائنات کا منشا حضور شب اسرئیل خدا کو آئینہ نہ چھپک کر دیکھنے والے حضور۔ خدا جن کی عمر عزیز کی نہیں کہلے ان لگیوں کے حلف اٹھائے جن میں سرکار چلتے پھرتے تھے۔ خالق کائنات ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور ان کی دشمنی کو اپنی دشمنی قرار دے۔ پھر کیوں نہ ہو کہ ایسی بستی کو ہم جان و مال و اولاد سے عزیز رکھیں۔ ہمارے دل ان کے عشق میں ڈوبے ہوئے اور ہماری رو میں ان کی محبت سے سرشار کیوں نہ ہوں کیوں ہم خدا کے حکم پر عمل پیرا نہ ہوں اور ہر وقت ان پر دود و سلام کے پھول نچاؤں کریں اور خدا کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان نہ ہوں۔ خداوند کریم کے احکام معانیہ کو ہم اور ہر گانِ دین کے اعمال کی پیروی میں انسان اور خصوصاً مسلمان کا وہاں رد ان سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کا مرکز کیوں نہ بن جائے۔

قرآن و احادیث میں عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اہمیت

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن پاک میں عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر زور دیا ہے حضور کا محبت کو اہمیت دی ہے خداوند کریم نے اپنے محبوب کے ساتھ کرپنا کو قرار دیا۔
و ما دھیت اذ رھیت و لکن اللہ دھنی

(اور اے محبوب! وہ خاک جو تم سے چھٹی تم نے نہ چھٹی تھی بلکہ اللہ نے چھٹی۔)

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ط ید اللہ فوق ایدہم

(وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے)

خدا نے فرمایا کہ جس کو حضور اپنی جان سے زیادہ عزیز ہو وہ اپنے دعوائی اسلام میں سچا ہے۔

النبی اولیٰ بالحق منین من انفسہم

(نبی کریم مسلمانوں کو اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں)

پھر فرمایا کہ کوئی شخص خدا سے محبت کے دعوے میں سچا نہیں اگر حضور کی اتباع نہیں کرتا۔ اور جو حضور کی پیروی میں کچھ کار ہے وہ خدا کا محبوب ہے۔

قتل ان کمنتمو تحبونی اللہ فابغونی یحبیکم اللہ

(میرے محبوب! آپ نہ دیکھ کر لے لو اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو پھر اللہ بھی تم سے محبت کرے گا)

خداوند قدوس نے اسلام کے پیروؤں کو احترامِ رسول پاک کی تلقین فرمائی۔

یا ایہا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق

صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھربعضکم

لبعض ان تجھظ اعمالکم وانتم تشرعون

(اے ایمان والو! اپنی آوازیں اس کی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز

سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ

چلتے ہو کہ ان اعمالِ اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو)

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ میرے محبوب کا فیصلہ صدقِ دل سے نہ ماننے والے مومن پہلے کے عقدا رہیں۔

فلا وربث لا یقمنون حتی یحکموا فیما شجر

بینہم ثم لو یجدوا فی انفسہم حرجاً مما قضیت

ولیسکمو تسلیما

(و قولے محبوب! تیرے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس

کے جھگڑوں میں نہیں حکم نہ بتائیں۔ پھر جو کچھ تم حکم فرماؤ اپنے دونوں میں اس

سے رکاوٹ نہ پائیں اور جیسے مان ہیں

— اور جو مومن ہیں وہ خدا اور اس کے رسول کے فرشتوں کی تعقید میں اور خدا کے حکم کی تعمیل میں اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم پر مطوعہ و سلام کے گہلے عقیقت پہنچا دے۔
 اِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ يَرْضَوْنَ عَنِ النَّبِيِّ ۖ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
 صَلُّوْا عَلَيِّهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔

(بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر۔ اے ایمان والو! ان پر

درود اور خیر سلام بھیجو)

دوسرے تمام انبیاء و مرسلین کا نام قرآنی آیات میں لیا گیا ہے لیکن ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل شانہ نے قرآن حکیم میں آپ کے نام سے نہیں پکارا بلکہ آپ کو رسول کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے کہیں الْمُرْسَلُ اَمْ لَمْ نَقْرَأْكَ الْكِتٰبَ فَلَمْ تَكُنْ مِنْ اُولٰٓئِیْنَ۔ خدا نے کہیں آپ کے چہرہ پر نور کیا کہیں آپ کی عمر عزیز کی کہیں آپ کی جانے تمام کی تعمیل کھائی ہیں۔

حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے دو جہاں نے فرمایا
 لَا یَقُوْۤا مِنْ اَحَدٍ كَوْحَتِیْ اَوْ كُنْ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَاٰلِدِیْ
 وَاَوْلَادِیْ وَالْمَلَائِکَۃِ اَجْمَعِیْنَ (بخاری و مسلم)

(تم میں کوئی مومن نہ ہوگا مجھ تک میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ اور

اولاد اور سب آدمیوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے گا۔)

بخاری شریف میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو اسوئے زیادہ پیارے سمجھے گا ایمان کا لذت و حلاوت پائے گا۔

توحید و رسالت

خداوند کریم کی توحید تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی اور بعد میں بھی مختلف

قرون میں کسی نہ کسی شکل میں عقائد کا جزو رہی ہے۔ اسلام میں رسالت پر ایمان لکھ توحید کا لازمی حصہ ہے۔ جب تک کوئی شخص حضور کو خدا کے لم بڑی کا رسول برحق تسلیم نہیں کرتا ان کی محبت کو اپنے لئے تو شرعاً آخرت میں سمجھتا ان کے ارشادات و عمل کو حزن جہاں نہیں بناتا اس کا عقیدہ توحید پر صحت میں بے سنی ہو جاتا ہے۔

شرح ایمان ہے کہ اقرار رسالت بھی کرو

صرت اقرار الودیعت یہاں بے سود ہے

حضور کی رسالت کے بغیر خدا تک پہنچنے کا اسلام میں کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ میرے آقا و مولا علیہ التقدیر والثناء رسالت کو اور حضور کے خاتم النبیین ہونے کو تسلیم کرنا اسی طرح ضروری ہے جس طرح خداوند کریم کے وحید لا شریک ہونے اور خالق و مالک ہو شہر براہان لازمی ہے۔ کوئی شخص لا الہ الا اللہ پڑھنے سے مسلمان نہیں ہو سکتا۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کَلِمَۃٌ تَوْحِیْدٌ کا لازمہ ہے۔ اس لئے معرفت خداوندی، اطاعت و محبت مصطفوی کے بغیر ممکن ہی نہیں، یاد گار ایزدی میں رہائی کا تصور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کی بغیر ایک مویوم تصور ہے، خدا تعالیٰ یوں اس سے بچا ہے۔

جب خداوند تعالیٰ نے خود فرمادیا کہ اپنی اولاد، والدین اور تمام مخلوق سے زیادہ حضور کو محبوب نہ سمجھنے والے مومن نہیں ہیں تو خدا ہرے کس کا دل آپ کی محبت سے نکال دے اس کے مومن ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آقا و مولا علیہ التقدیر والثناء سے انتہائی عشق و محبت اور آپ کی اتباع و اطاعت اسلام کے عقیدہ نبوت و رسالت کا لازمی بنیادی جزو ہے۔ — اور ظاہر ہے کہ آقا سے محبت نہ ہو تو ادب و احترام کیسے ہوگا۔ ان سے عشق نہ ہو تو ذاتی خواہشات کو ترجیح دے کر مقاصد کے لئے جان و مال و ابرو

کا قربانی دینے کا خیال کس طرح پیدا ہوگا۔ — اور یہ جذبہ بیدار نہ ہوا تو کمال اطاعت کا مقام کیونکر حاصل ہو سکے گا۔

عید میلاد النبی اور سال ولادت اقبال

یہ حضور امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق ہی کا فیضان ہے کہ آپ کی اس دیندہ
آپ وہی پر تشریف آوری کی خوشی میں ہم سرت و آرمناج کی تقریبیں منعقد کرتے ہیں۔
حضور پر نور شافع یوم النشور کی ولادت با سعادت خدا کا ہم پر احسانِ عظیم ہے۔ ہر عاشقِ
مصطفیٰ کی طرح علامہ اقبال اور اعلیٰ حضرت بریلوی بھی عید میلاد النبی منانے کی اہمیت لوگوں
پر جانتے رہے، سرکار کے گئی گاتے رہے، حضور کی تعریف و ثنا میں ترزاں تھے۔ اب
۹ نومبر ۱۹۷۷ء کو جب علامہ اقبال کا صد سالہ جشن ولادت منایا جا رہا ہے، میں محسوس
کرتا ہوں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جشن ولادت منانے والے اس عاشقِ رسول کی یاد
کو ہم اپنے سینوں میں بے یمن، اس کے نعیت اور عاشقانہ کلام کو پڑھیں، اس نے جس پیغام
کو عام کیا ہے، اسے لوگوں تک پہنچائیں اور یہ بات عامۃ المسلمین کو سمجھائیں کہ محبوبِ خالق
صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ادنیٰ خادم (علامہ اقبال علیہ الرحمۃ) کا جشن ولادت پورا سال منانے
والوں اور اس جشن کے اتفاق پر معترض نہ ہونے والوں کا اقبال کے آثار و سولہ جہاں کے
آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کا جشن ولادت منانے پر اعتراض کیسے درست ہو سکتا ہے۔

میں نے کوشش کی ہے کہ اس اہم موقع پر علامہ اقبال کے ساتھ ساتھ اعلیٰ حضرت
امام احمد رضا بریلوی کے عشقِ مصطفیٰ کی جھلکیاں بھی قارئین کو دکھاؤں تاکہ مختلف شعبوں
میں اسلامی خدمات انجام دینے والے و دو بحر یوں میں سرکار کی محبت کے موضوع پر جن عقائد
فکر آشکار ہو۔ اس مضمون سے واضح ہو گا کہ جن عقائد کی بنا پر کچھ لوگ ان دو عاشقانِ رسول
میں سے کسی ایک کو معلن کرتے ہیں محبت کا وہی جرم دوسرے نے بھی کیا ہے اور تواتر و تسلسل
کے ساتھ کیا ہے۔

اس گنگا ہیست کہ در شہر شام نیز کفند

مدح رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)

یہ امر مسلم ہے کہ مدح کبریٰ کی مدح سزا کی بہت مشکل بات ہے کیونکہ نعت خداوند
تعالیٰ کی عظمت ہے، اس لیے اس کے مضامین قرآن و حدیث سے ناخود ہونے چاہئیں
اور مدح حضور میں خاصہ فرسائی کرنے والے کو ان مضامین میں کامل ورک کی ضرورت ہے۔
پھر ان مضامین کو اسلوب کی نیرنگی اور بخشش کش کا دشمنی کے ساتھ ادا کرنا ہوتا ہے مگر غرض ادا
میں وہ آنا دہی جو غزل کے لئے استعمال ہو سکتی ہے، یہاں نہیں برتی جاسکتی۔ محبوبِ مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت شان کا تقاضا ہے کہ نعت کہنے والا سرا یا ادب ہو جو شخص
عبودیت اور عبوریت کے نازک فرق کو نہ سمجھا ہو، الوہیت اور رسالت کے تعلق کو نہ جانے،
وہ نعت کیا کہہ سکتا ہے۔ مدحِ مصطفیٰ کی پہلی شرط یہ ہے کہ نعت کہنے والے کا قلب
عشقِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے معمور ہو۔ تنہا عبادی کہتے ہیں۔

’چنے مومنین جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلصین لہ الدین کی حیثیت سے فدیہ یاز
گردیدگی رکھتے ہیں‘ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے ساتھ بھی ولایت شیفنگل
ضرور رکھتے ہیں کیونکہ ان کا اس پر ایمان ہے کہ۔

بعد از خدا بزرگ توئی قہتمہ مختصر

ان میں سے بہترین اتفاق جو شاعر بھی ہیں وہ اپنے ہی محبوب کے ساتھ اپنے
والہانہ جذبات محبت و عقیدت کا اظہار نعتیہ اشعار کے ذریعہ کم و بیش کرتے
رہتے ہیں۔

نہیں پران مگر رعن غزل سرایم و بس

کہ خند لیب تو از بہر طرف ہزار اند (حافظ)

(تیارہ لاہور عبدالعزیز خالد نمبر ۱۰۱۹)

ڈاکٹر ملک زارہ منظور پرفیسر کنوینویرسٹی اپنے ایک مضمون میں نعت کی صنف کے بارے میں لکھتے ہیں۔

”نعت محض رسول کریم کی شاعرانہ توصیف کا نام نہیں بلکہ بقول ایک متعین نگار نبوت کے حقیقی کلمات کی ایسی تصویر کشی کا نام ہے جس سے ایمان میں تازگی اور روح کی بالیدگی پیدا ہو سکے اور یہ تازگی اور بالیدگی اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب مداح کا دل رسول کی محبت کے حقیقی جذبات سے بھر ہو صرف یہی نہیں بلکہ مقام و مرتبہ سے الگ ہٹ کر نعت گوئی کے راستے میں ایک اور بھی مرحلہ مستان کے اس حکم کی بنا پر پیدا ہوتا ہے کہ ”تم نبی کو اس طرح نہ پکڑ جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو“ نتیجے میں وہ تشبیہات و استعارات جن میں پاکیزگی، تقدس اور عبادت نہ ہو، ہمارے سامنے بیکار ہو جاتے ہیں اور اس بات کی ضرورت پیش آتی ہے کہ صرف تعلیمی مضامین استعمال کئے جائیں اور یہ مضامین انہی لوگوں کے ہاتھ آتے ہیں جو جذبے اور وجدان کی آگ کے ساتھ ساتھ تضاد و شعور و شریعت کو کم آہنگ کرنے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں“

(المیزان بیسی۔ امام احمد رضا نمبر ۴۹)

خود اعلیٰ حضرت اس راہ کی مشکلات کا ذکر یوں فرماتے ہیں۔

”حقیقتاً نعت شریف مکھانا بیت شکل کام ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر جھٹکا ہے تو اوبسیت میں پہنچ جاتا ہے اور لک کر آجے تو تعقیب ہوتی ہے“ (المفوظ۔ حصہ دوم ص ۴۰)

عشقِ مصطفیٰ اور اقبال و احمد رضا

زورِ نظر مقامے میں جن دو عاشقانِ رسول کا ذکر مطلوب ہے ان میں سے علامہ اقبال

رحمۃ اللہ علیہ کی نعتیہ شاعری کے متعلق بڑودہ یونیورسٹی کے ڈاکٹر وحید اشرف نے المیزان کے مذکور بالا نمبر میں لکھا۔

”اردو اور فارسی نعتیہ شاعری میں علامہ اقبال بالکل منفرد اور مستثنیٰ مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے اسلامی فلسفہ حیات کی ترجمانی کی ہے لیکن اس فلسفہ حیات کی اساس عشق ہے اور ان کا یہ عشق بھی جمالی محمدی کا مرہونِ محبت ہے۔ اس لئے درحقیقت علامہ اقبال کا وہ جذبہ عشق ہی ہے جس سے ان کے فکر کو چلا مٹی ہے اور جو ان کی شاعری کی روح ہے۔ اقبال کے اشعار میں اسلام کا فلسفہ حیات مضمر ہے لیکن یہاں فلسفہ نہیں رہ جاتا بلکہ عشقی رسول کے جذبے میں داخل کر شعر کا پیکر اختیار کرتا ہے جس کے بغیر اقبال کی شاعری مجرد فلسفہ ہو کر رہ جاتی“ (المیزان بیسی۔ امام احمد رضا نمبر ۴۶)

مدح گو زبانِ سرکار و دعوام میں علامہ اقبال کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں :

”نعت کے غیر رسمی معنوں میں علامہ اقبال اردو کے اہم ترین نعت نگار ہیں۔ انہوں نے صرف یہی نہیں کہ اپنی شاعری میں سیمپکڑوں جگہ آنحضرت کی سیرت و کلمات کا قائلانہ اظہار کیا ہے بلکہ یوں کثرت چاہی ہے کہ ان کی پوری شاعری کا حقیقی محور سیرت محمدی اور اسوۂ رسول ہے حتیٰ کہ ان کے فلسفہ خودی کا اصل الاصول بھی یہی ہے۔ اسرارِ خودی سے لے کر جاوید نامہ تک ان کا کلام صاف بتاتا ہے کہ ان کے فکر و فن کا نقطہ آغاز بھی رسالت ہے اور نقطہ ارتقاء و اتمام بھی رسالت ہے۔“ (اردو کی نعتیہ شاعری از ڈاکٹر فرمان فتح پوری ص ۴۵)

عنایت عارف بھی اسی مردِ قلندر کے جذبات و احساسات اور فکر و خیال کا محور حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشقِ صادق کو قرار دیتے ہیں :

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ مرکزی نقطہ ہے جن کے گرد اقبال کا پورا پیغام
گھوم رہا ہے۔۔۔۔۔ اقبال کے نزدیک نسبت مسد کی بقا اور سلامتی عشق رسول
میں پوشیدہ ہے۔ وہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

مقام خویش اگر خواہی درمی دیر

بقی دل بند و راہ مصطفیٰ رُو

راہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹ کر مسلمان کے لئے دنیا میں عزت و اکبر کے ساتھ
زندہ رہنا ممکن ہی نہیں وہ باری باری یقین کرتا ہے کہ میں نے تقدیر کے چہرے سے پردہ
ٹھا دیا ہے۔ اے مسلمان! نا اُمید نہ ہو اور راہ مصطفیٰ اختیار کر:

کشودم پردہ را از رُوسے تختدیر

مشو نو مسد و رام مصطفیٰ گیسر

اگر مسلمان عشق نبی سے سرشار ہو کر زندگی کے راستے پر گامزن نہیں ہو سکتا تو پھر
اس کے لئے ایک ہی راستہ ہے کہ وہ درمی ابراہیم سے اپنا رشتہ منقطع کرے اور کافر
کا موت مرتے کے لئے تیار ہو جائے۔

اگر باد ندری آنخپہ گفتم

ز دیں بگر بزد مرتے کا فرے میر

(مسلم لاہور۔ عید میلاد النبی نمبر۔ ص ۱۹)

خورشید احمد ایلے اپنے مضمون "اقبال کا تصور مشرعبیت" میں بیت رسول کو
فکر اقبال کی اساس قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

و رسالت کی حقیقت اور اس کی نوعیت کے فہم کا لازمی تقاضا ہے کہ نبی سے حقیقی
محبت کی جائے اور انسان کا روائی روال اس کے عشق سے سرشار ہو۔

(اقبال ریویو کراچی۔ جولائی ۱۹۶۰ء۔ ص ۸۰)

ڈاکٹر امانت صدر شعبہ اڑو فارسی، دہلی کالج، پٹنہ (بھارت) اپنے مضمون
"امام احمد رضا کی مذہبی شاعری" میں علامہ اقبال اور اعلیٰ حضرت بریلوی — دونوں کے عشق
مصطفیٰ کے متعلق خامہ فرسایا ہوتے ہیں:

نعت گو شعرا نے جس زندگی کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے اس کا نمونہ

زندگی کے گونا گوں مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ علامہ اقبال کی مقصدی شاعری

رفعت محمدی کی ترجمانی کر رہی ہے۔ اقبال کا مراد غوری، مراد کمال، مراد مومن، مراد قلندر

عشق، عقل اور کھٹ سب کچھ اسی ایک زندگی کی ترجمانی ہے۔ اقبال کی شاعری

در اصل رسول کریم کے اسوۂ حسنہ کی آئینہ دار ہے جو منطق، کھجاندہ، ادیبانہ اور

شعری دلائلیوں کے ساتھ نغمہ حیات بن کر زندگی کا پیغام پہنچا رہی ہے۔

(سہ ماہی نولے ادب بی بی، اکتوبر ۱۹۷۵ء)

یہ قول بڑی حد تک مجدد اسلام (رضا بریلوی) کی نعتیہ شاعری پر بھی صادق آتا

ہے۔ آپ کا شمار ان بزرگ و برتر ہستیوں میں ہوتا ہے جن کے قلوب عشق الہی اور

محبت رسول سے لبریز و سرشار ہوتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں: "بھگد اللہ اگر میرے

قلب کے دو ٹکڑے کئے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر "لا اِلهَ اِلَّا اللہ" اور دوسرے پر

"محمد رسول اللہ" (جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم) ہو گا۔ (مجدد اسلام، ص ۴۹-۴۸)

(المیزان بی بی، امام احمد رضا نمبر ۱۰ ص ۴۸)

مولانا احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کی نعتیہ شاعری کے عشق پر فیصلہ آقا رحمتی

کہتے ہیں:

ان کا نعتیہ کلام اس پائے کا ہے کہ انہیں عبقہ اولیٰ کے نعت گو شعرا میں

جگہ دی جانی چاہیے۔ انہیں فن اور زبان پر پوری قدرت حاصل ہے۔ ان کے بیان

تصنیع اور تکلف نہیں۔ بلکہ بے ساختگی ہے کیونکہ رسول پاک سے انہیں بے پناہ

محبت اور عقیدت تھی اس لئے ان کا عقیدہ کلام شدت احساس کے ساتھ ساتھ خلوص
فیضیات کا آئینہ دار ہے۔

(عاشق رسول از ڈاکٹر محمد مسعود احمد مطبوعہ مرکزی مجلسِ رضا لاہور)

ڈاکٹر سید عبداللہ علی حضرت علیہ الرحمۃ کے عشق سرکار کے بارے میں فرماتے ہیں :
” وہ بلاشبہ بقید عالم ” متبحر حکیم ” عبقری فقیر ” صاحبِ نظر ” مستشرق ” ان ” علیہم
الصلوات اور سحر بیانِ خطیب تھے لیکن ان تمام درجات رفیع سے بھی بلند تر
ان کا ایک درجہ ہے اور وہ ہے عاشقِ رسول کا۔ یہ عشق رسول کا فیضان تھا
کہ ان کے اجتہاد میں سوز و گداز، ان کی نظر میں حیا، ان کی عقل میں سلامتی
اور ان کے اجتہاد میں ثقاہت و اصابت اور ان کی زبان میں تاثیر اور ان
کی شخصیت میں اثر و نفوذ تھا۔ وہ جو کہتے تھے، کرتے تھے اور جو کرتے تھے
اس میں عشقِ رسول کی چھکیں صاف نظر آتیں۔ یہ عشقِ رسول تھا جس نے
انہیں سنتِ حسنہ کے احیاء میں عمر بھر سرگرم عمل رکھا۔“

(پیغاماتِ یومِ رضا - ص ۲۵)

نیز فتح پوری نے کہا —

” میں نے مولانا بریلوی کا عقیدہ کلام بالاستیجاب پڑھا ہے۔ ان کے کلام
میں پہلا تاثر جو چڑھنے والوں پر قائم ہوتا ہے ”وہ مولانا کے بے پناہ وابستگی
رسولِ عربی کا ہے۔ ان کے کلام سے ان کے بیکراں علم کے اظہار کے ساتھ
انکار کی بندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔“

(ترجمانِ اہلسنت کراچی - نومبر دسمبر ۵۵ء ص ۲۹)

ڈاکٹر نظام مصطفیٰ خان اس عاشقِ رسول کے بارے میں اپنے مضمون ”اردو شاعری اور
تقصیر“ میں کہتے ہیں :

” اب من سب معلوم ہوتا ہے کہ ایک عاشق سے رسول یعنی مولانا احمد رضا خان
بریلوی کا ذکر بھی کر دیا جائے جس سے ہمارے اوباد نے ہمیشہ بے اعتنائی
برتی ہے حالانکہ یہ غالباً واحد عالمِ دین ہیں جنہوں نے نظم و نثر دونوں میں
اردو کے بہ شمار محاورات استعمال کئے ہیں اور اپنی علمیت سے اردو شاعری
میں چار چاند لگائیے ہیں۔“

(مجموعہ نظر اسلام آباد - جنوری ۱۹۶۶ء ص ۵۶۸)

جسٹس شمیم حسین قادری نے فاضل بریلوی کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا :
” وہ عاشقِ رسول تھے اور عشقِ رسول کا فوقِ ملکین عالم کرنے کی ضرورت ہے
سرورِ کائنات کی محبت نہ صرف اس دنیا میں ہماری مشکلات کا حل ہے
بلکہ اگلی دنیا میں بھی نجات کا باعث ہے۔“

(مقالاتِ یومِ رضا حصہ دوم - ص ۱۰)

پیر محمد کرم شاہ بھیروی ایم اے فاضل الازہر کہتے ہیں :

” آپ کی زندگی کا لمحہ لمحہ ذکرِ خدا اور یادِ مصطفیٰ علیہ اعلیٰ الصلوٰۃ والسلام سے
معمور ہے۔۔۔ جو پہلا تو کائنات کی پہنائیوں کو شرمسار کر تا گیا اور جو
پہلا تو عشقِ مصطفیٰ بن کر رہ گیا۔ نبی آپ کا ایمان تھا کہ حبیبِ کبریا
صلی اللہ علیہ وسلم جانِ ایمان اور روحِ دین ہے۔ اسی کے پرچار میں آپ نے
اپنی ساری عمر صرف کر دی، اسی کے لئے اپنی ساری صلاحیتیں اور قابیلیتیں
وقف کر دیں۔“

(مقالاتِ یومِ رضا حصہ دوم ص ۲۲)

المیزانِ نبوی کے منہج امام احمد رضا غفرلہ میں بہت سے دانش ور اہلِ علم ادیب اور
نقاد حضرات نے علیہ حضرت شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فیضیات
عشق و محبت کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ چند آراء پیش کی جاتی ہیں :

ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی (علی گڑھ یونیورسٹی)

"آپ کی نظموں اور غزلوں کا ایک ایک حرف عشق رسول میں ڈوبا ہوا ہے
لیکن ہر جگہ حدود شرعی کا لحاظ رکھا گیا ہے۔" (ص ۵۹۲)

سید شمس الضحیٰ (پرنسپل اور میٹل کالج غازی پور)

"آپ کے سینے میں جو سب سے بڑا خزانہ تھا، وہ عشق مصطفیٰ علیہ التہیۃ
والسلا کی انمول دوست تھی۔ آپ کے ایک ایک حرف عشق و محبت کا چشمہ پھوٹا
پڑتا تھا۔" (ص ۱۲۸۵)

پروفیسر مختار الدین احمد (ڈین لیکچر آف آرٹس، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

"سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے امام احمد رضا کی محبت بلکہ عشق مشہور زمانہ
ہے، یہ سطور پڑھیے، "خبردار! جہاں شریف کو ہاتھ لگانے سے بچو کہ
خلاف ادب ہے بلکہ چار ہاتھ سے زیادہ قریب نہ ہو جاؤ یہ ان
کی رحمت کیا کم ہے کہ تم کو اپنے حضور بٹایا، اپنے سوا جہ شریف میں
جگہ بخشی۔" (ص ۳۲۶)

سید محمد قائم قیصل (ڈائریکٹر ایم اے (فاضل تدریس و انجیل - ڈانپور)

"نعتیہ شاعری میں جن نازک مرحلوں سے گزرنا ہوتا ہے، اللہ اکبر! آپ تدم پھوٹا کہ
چونک کر ان راہوں سے نہایت کامیاب گزرے۔" (ص ۳۵۵)

عیدر خاں پٹھان (ایڈووکیٹ جی بی ایچ کورٹ)

"عشق رسول اسلامی تہذیب کا زریں پہلو ہے اور امام احمد رضا نے اپنے قلم
کے ذریعے عشق رسول کے ماسن عوام انسان کے سامنے رکھے تاکہ وہ احکام پر
کی روشنی میں حب رسول سے مرشد ملے قوم کی خدمت کریں۔" (ص ۴۱۵)

ڈاکٹر حامد علی خاں (لیکچرر یونیورسٹی)

"یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ علامہ رضا عشق رسول میں مستغرق و مشرق
ہو۔" (ص ۱۲۴۵)

سید ایوب اشرف ایم اے ایل ایل بی (کھن)

"اعلیٰ حضرت نے ہر گاہ مصطفیٰ میں کی گئی گستاخوں کے خلاف شرعی فیصلہ
ماد رکھا، اس طرح نہ صرف پوری مسلم قوم کو امتیاز سے بچایا بلکہ غدارانِ بول
کی ریشہ دوانیوں سے ملت اسلامیہ کو محفوظ کر لیا۔" (ص ۴۱۱)

سید حسن مشتقی انور ایم اے علیگ

"اسلام شش اشاعت کی روک تھام کے لئے ایک ایسی شخصیت کی ضرورت
تھی جس کو علوم عقل و نقلی دونوں میں پوری بصیرت اور دست گاہ ہو اور
وہ تمام علوم و فنون میں بالغ نظری کے مقام پر فائز ہو۔ فقہ فی الدین میں
جو ائمہ متقدمین کی یاد دلائے اور جس کا علم کلام ایک جانب اگر توحید کی
نقاب کشائی کرے تو دوسری جانب فخر و عظام صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت
و ارشادگی اور اخستیار و اقتدار کا پرچم لہرائے۔" (ص ۲۵۱)

سید آل رسول حسنین قادری ایم اے

"سلام اس پر کہ جسے اللہ عزوجل نے محض اسلام کی حمایت اور دین کی تہذیب
کے لئے پیدا فرمایا۔ جس نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی جس نے عمر بھر
دین کے رہنروں اور ایمان کے ڈاکوؤں سے مقابلہ فرمایا۔" (ص ۲۴۵)

ڈاکٹر وحید اشرف (برودہ یونیورسٹی)

"امام احمد رضا نے عرب کے چھستان کی بہادر عرب کے گل وریحان عرب کے
بیابان کے خار اور عرب کے کوچوں کا ذکر کیا ہے۔ مگر یہ ذکر ہی اور قیاسی

۲۶
نہیں بلکہ اس ذکر میں صداقت کا اظہار موجود ہے۔" (ص ۴۶۴)
ڈاکٹر اسانت (واٹر کا بیج - لہذا)

"آپ کی حیات مقدسہ کا ایک ایک لمحہ سرورِ دو عالم کے عشق و محبت میں
بسر ہوتا رہا۔ محبوب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تین طریقوں پر عمل پیرا
ہونے کی ضرورت ہے۔ ایک تو براہِ راست محبوب کی مدد سرائی، دوسرے
محبوب کے محبوب کی تعریف و توصیف اور تیسرے محبوب کے بدخواہوں اور
دشمنوں کی مذمت۔ آپ نے اپنے عشق و محبت اور احترام و رشتائے
محبوب کی خاطر تینوں طریقے اختیار کئے۔" (ص ۴۶۸)

اعجازِ مدنی ایم لے ڈیپ، ایڈیٹر سائنس (ممبئی)

"امام احمد رضا ان گنے گنے صاحبِ علم و فضل ہیں تھے جن پر پروردگارِ عالم
نے اپنے رسولِ مستم و مکرم کے صدقے اپنی عنایات و مہربانی اعزّت و
منعت تمام کی تھی۔" (ص ۲۱۷)

سید شمیم اشرفی ایم لے علیگ

"ان کی شاعری میں الہام کی جلالت ہے، تفہیم و افہام کی تلقین نہیں۔ وہ
شیخ جمال مصطفوی پر پروانہ دار گئے ہیں۔ ان کا سینہ عشقِ رسول کا بحر
ذخائر ہے۔"

لاکھنؤ آویزہ تبدیل مدینہ ہو وہ دل
جس کی سوزش نے کیا رشک چرائیں ہم کو

(ص ۴۷۷)

ڈاکٹر ملک زادہ منظور (لکھنؤ یونیورسٹی)

"مجددِ اسلام حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب اگر ایک طرف تبحرِ علمی،

زہد و تقویٰ اور روحانی تصرفات کا بیجاری نود تھے تو دوسری طرف سہلِ کرم
سے ان کے بے پناہ عفت و بخت مثالی تھی۔" (ص ۴۷۹)

ڈاکٹر طلحہ رضوی برقی (دانا پوری (جمین کا بیج آرز)

"حضرت رضوانے اپنی لغت نویسی کے لئے قرآن و حدیث کو ہی شمعِ راہ بنایا۔
یہی وجہ ہے کہ ان کا نعتیہ کلام اسلوب و تفریط کے عیب اور تختگی کی کمی راہِ بری
سے پاک ہے۔" (ص ۴۸۱)

شاہد رضا اشرفی ایم لے

"امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری رضائے رسول اور حبِ نبوی کے اکتساب
کا ایک مقدس انداز ہے اور یہی رضا و محبتِ اسلام میں مکمل ایمان کا وہ میار
ہے جہاں انسان حیات کی اس منزل پر ہوتا ہے جس کے پاس میں اقبال
نے کہہ ہے:

فرشتہ موت کا چھوٹا ہے گردن تیرا

ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے (ص ۵۰۸)

ڈاکٹر نسیم قریشی (لیکچرر یونیورسٹی)

"حضرت رضا کے حق میں کہ وہ مقبولینِ بارگاہِ الہی اور نظرِ کردگانِ رسالت
پناہی کے کس محبوبِ زمرہ میں ایک مقام خاص رکھتے تھے، ایسا بلند مقام ہلاکہ
انہیں حسانِ الہند کے مبارک نقیب سے یاد رکھنے بغیر ان کے بے پناہ جذبہ عشقِ رسول
ان کی وجد آفرین لغت گوئی کے ساتھ انصاف نہیں ہو سکتا۔" (ص ۵۴۹)

حسنِ تربیت کا فیضان

اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان اور علامہ اقبال دونوں بحرِ یوں کی تربیت ایسے

باتوں میں ہوتی تھی کہ ان کے خمیر میں عشق مصطفوی کا رچاؤ لازمی تھا۔ جب والدین کسی نعت سے ہر جز اتم بہرہ ور ہوں اور اس صلاحیت سے بھی بہرہ مند ہوں کہ حسنِ رُوح سے وہ نعت اپنی اولاد تک منتقل کر سکیں تو ایسا کیوں نہ ہو کہ وہ خود اولاد کی رنگ میں رچیں جس جیسے اس کا حاصل حیات بن جائے۔ شاہ احمد رضا کے ہمدرد مولانا رضا علی خان قدس سرہ مشہور زمانہ عالم دین تھے، بقول مولانا رحمان علی خاں مؤلف تذکرہ علامہ موصوف صاحب علم فقہ و تصوف میں کامل ہمارت رکھتے تھے۔ (ص ۶۴)

اعلیٰ حضرت کے والد ماجد مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ زبردست عالم کمال مآثر اور مناظر بے نظیر تھے۔ اور بہت سی کتابوں کے مصنف بھی۔

(شاہ احمد رضا خان بریلوی از مشفق محمد غلام سرور قادری ایم اے - ص ۲۴)
مولانا نقی علی خاں "دقیقہ شناس معقولات و منقولات اور محرم اسرار و عادیث و آیات" تھے (تین مقامات از حافظہ عبدالستار نظامی ص ۱۲) بقول اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ ان کے والد گرامی کی خصوصیت یہ تھی۔

اس ذات گرامی کو خان غزوہ جل نے حضرت سلطان رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ کی غلامی و خدمت اور حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعدا پر غفلت و شدت کے لئے بنایا تھا۔

رجا احمد البیان فی اسرار اللہ کان بکوالہ یا د اعلیٰ حضرت

از مولانا علیہ السلام شریف قادری - ص ۱۲۰

مشہور محقق عالم، ادیب اور شاعر قاضی عبد الباقی کو کتب مرحوم اپنے مضمون "حبیبِ پیغمبر کی دنیا میں" میں مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمۃ کے عشقِ رسول ایک واقعہ نقل کیا ہے :

"مولانا احمد رضا کے والد ماجد مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ایک

مرتبہ سخت بیمار ہو گئے۔ رجب کے دن تھے رات خواب میں سطر ج کا کچھ اشارہ ہوا۔ صبح اٹھ کر تیاری شروع کر دی۔ عرض کیا گیا "اس نفعِ مریضیت مفر کیونکر ہو سکے گا۔ اگلے سال پر پہنچے" فرمایا۔ "بھیک بار قصہ مدینہ سے پاؤں در مانجے سے باہر رکھنے دو، پھر خواہ رُوح اگلا وقت پرواز کر جائے۔" چنانچہ قشربے لگے اور رجب و زیارت کے جملہ اکان ایک تندرست و خوشحال انسان کی طرح ادا کیے۔

(مقالاتِ یوم رضا، حصہ اول - ص ۸۵)

اس طرح علامہ محمد اقبال علیہ الرحمۃ کے والد محترم شیخ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے عشقِ مصطفیٰ کی کیفیت کا ایک واقعہ علامہ اقبال کے حوالے سے فقیر سید وحید الدین نے یوں تحریر کیا ہے :

"مشہوری روز بے خودی میں علامہ نے اپنے رُکپن کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک سال بھیک مانگتا اور صدا لگاتا ہوا اُن کے دروازے پر آیا یہ گدائے بہرہ یعنی اڑیل فقیر تھا۔ دروازے سے گلے کا نام ہی نہ لیتا تھا اس کے بار بار پیچ پیچ کر صدا لگانے پر علامہ اقبال نے طیش میں آکر اُسے دراز علامہ کے والد اس حرکت پر بہت آزرده اور کبیدہ خاطر ہوئے۔ اور دلی گرفتہ ہو کر بیٹھے سے کہا کہ قیامت کے دن جب غیر الرسل کی امت سرکار کے حضور جمع ہوں گی تو یہ گدائے درد مند تمہارے پاس برتاؤ کے خلاف حضور رسالتِ مآب سے فریاد کرے گا۔ اُس وقت

میں صراحت مشکل از بے مریخی

میں چہ گمہم چوں مرا پند سبخی

حق جو آنے سے باقو سپرد
کو نصیب از دستاں نہ برد
از تو ای یک کار آسان ہم نہ شد
یعنی آن انبار گل آدم نہ شد
در ملامت نرم گفتار آن کیم
من رہین فحلت و انتیہ و نیم
اندک اندیش و یاد آرے پس
اجتماع آفت خیم البشر
باز ای ریش سفید من نگر
لرزه بیم و امید من نگر
بر پدر ای نگر نازیب کن
پیشہ مولا بندہ را رسوا مکن

(روزگار فقیر جلد دوم - ص ۱۵۲)

علامہ کے والد ماجد اپنی رعیشیں سفید کا واسطہ دے کر بیٹے کو کہتے ہیں کہ مجھے میسے آقا و مولا کے حضور رسوا نہ کرو۔ فقیر وحید الدین سمجھتے ہیں کہ شیخ نور محمد علیہ الرحمۃ کے حسن تربیت کا یہ اعجاز تھا کہ جب علامہ اقبال قرآن کی آیت اور حدیث رسول سنتے تھے تو فوراً نگہبان بر طاعت نہادوں کی تصویر بن جاتے تھے۔

فقیر سید وحید الدین علامہ اقبال کے والد گرامی کے مشفق رسول کے متعلق ایک اور واقعہ قلمبند کرتے ہیں :

علامہ اقبال کی بہن بڑی عابدہ زاہدہ تھیں۔ خاص طور سے اوپاریا لنگر ک کلمات اور حسی عادت کی کتابیں بڑے فوق و شوق سے پڑھیں۔

[illegible]

(روزگارِ فقیہ - جلد دوم - ص ۱۲۷)

پیشہ مرا شاعری، نہ دعویٰ مجھ کو

علامہ اقبال اور رضا بریلوی (رحمہم اللہ تعالیٰ) دونوں کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا اور نہ اسے پسند کیا کہ لوگ انہیں شاعر سمجھیں۔ علامہ اقبال اپنے آقا مولا علی اللہ علیہ وسلم کی راہ کی دیتے ہیں کہ

یا رسول اللہ ! ملاحظہ فرمائیے، لوگ مجھے غزل خواں قرار دیتے ہیں۔

من لے میرا دم! داد از تو خرابم

مرا پاراں غنڈل خوانے شہر د بند

اس طرح اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ بھی شاہ عسکری کے دعوے سے گریزاں ہیں۔ فرماتے ہیں:

پیشہ مرا شاعری، نہ دعوے مجھ کو

ان شرع کا الیہ ہے جذبہ مجھ کو

سولی کی شست میں حکیم سولی کے خلاف

لوہے پر سیر نہ کرنا چاہیے

پروفیسر طارق احمد مدنی (چیکاکا کالج بہار) اپنے مضمون "امام احمد رضا کی تفسیر شامعد

پر ایک نظر میں دیکھتے ہیں :

”عدائے بخشش (رضایعلیٰ کا مجموعہ کلام) میں ایک شعر بھی ایسا نہیں ملے گا جو کتاب و سنت سے متصادم اور احکام شریعت سے مزاحم ہو۔ اعلیٰ حضرت نے کبھی شعر گوئی کو مقصود بالذات نہیں سمجھا، مقصد حیات مداحی سرکار تھا۔ انہوں نے شاعری برائے شاعری نہیں کی ہے بلکہ شاعری بطور عبادت کہ ہے۔“

(المیزان بیہی - امام احمد رضا فیبرس ۱۴۸۶)

اقبال و رضا کا تعلق

اگرچہ علامہ اقبال اور شاہ احمد رضا اپنے الگ الگ میدانوں میں تمام عمر سرگرم کار رہے لیکن عشق مصطفیٰ کا رشتہ تو ناقابل شکست ہے۔ اور اس کا مفصل ذکر مقالے میں آئے گا۔ قارئین کرام یہ دیکھیں کہ علامہ اقبال مجددانۃ حاضرہ شاہ احمد رضا خاں کے بارے میں کیا خیالات رکھتے تھے۔ ڈاکٹر عابد احمد علی ایم اے (علیگ، ڈی پل (اکسفورڈ) لکھتے ہیں :

”ایک بار استاد محترم مولانا سلیمان اشرف نے اقبال کو کھانے پر مدعو کیا اور وہاں محفل میں حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا ذکر چھڑ گیا۔ اقبال نے مولانا کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی کہ وہ بے حد ذہین اور باریک بین عالم دین تھے۔ فقہی بصیرت میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ ان کے فتاویٰ کے مطالعے سے اعلازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور اور پاک و ہند کے لئے تابعۃً رزگار فقید تھے۔“

ہندوستان کے اس دور مشاہیرین میں ان جیسا طبائع اور لہجہ فقہیہ

مشکل ملے گا۔ (مقتلات سلیم رضا - جمعہ سوم - ص ۱۱۰)

جناب عابد نظامی اپنے مضمون ”مولانا احمد رضا خاں کی نعت گوئی“ میں لکھتے ہیں :

”علامہ اقبال نے شعر و نثر میں جو نعتیں لکھیں ان میں مولانا (احمد رضا) کی نعتوں کا اثر صاف جھلکتا ہے۔“

(مقتلات سلیم رضا - جمعہ اول - ص ۱۱۸)

حکیم الامت علامہ اقبال امام احمد رضا سے کتنے متاثر تھے اس کی ایک مثال یہ ہے۔

”غالباً ۱۹۲۹ء کا واقعہ ہے کہ انجمن اسلامیہ سیالکوٹ کا سالانہ جلسہ تھا اور علامہ اقبال اس جلسے کے مدعو تھے۔ جلسے میں کمی خوشحالان نعت خوان نے مولانا احمد رضا صاحب کی ایک نظم شروع کر دی۔ جن کا ایک مصرع یہ تھا :

رضائے حسدا اور رضائے محمد

نظم کے بعد علامہ اقبال اپنی صدارتی تقریر کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ارجمند ذیل کے دو شعر ارشاد فرمائے :

تمنا شد تو دیکھو کہ دو رنج کی آتش

لگائے خدا اور بجھائے محمد

تجرب تو یہ ہے کہ فودوس اعلیٰ

بنائے خدا اور بسائے محمد

(نفاذ بر اقبال - سرسید بکڈپو علی گڑھ - ص ۲۵)

مشرقیں سرکارِ دو عالم ﷺ کا سامنا کرنے کا احساس

ان دونوں عاشقانِ رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی زندگیوں کا سب سے بڑا مسئلہ اس حقیقت کو قرار دیا ہے کہ روزِ نشر سرکارِ دو جہاں کے حضور حاضری ہوگی۔

وہ چاہتے ہیں کہ وہاں مہم سرکار کی نظروں میں رسوا نہ ہو جائیں، حضور ہیں اپنا
ماننے سے انکار نہ کریں۔ ہم یوم الفشور کہ آفادہ مولا کے نام یوا تسلیم کر سکتے ہیں
گئے تو بات بنے گی۔ اس تصور میں علامہ اقبال اپنے دفتر عقیقہ کی طرف کے سامنے
پیش کرنے سے تو نہیں بچکاتے مگر ہمیشہ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اس حالت
میں پیش ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ گناہوں کا پشتارا ساتھ ہو۔ چنانچہ خداوند کریم
سے التجا کرتے ہیں کہ اگر فرما دے کہ دیکھنا ناگزیر ہے تو وہ خود دیکھ لے اور ہاتھ نہیں جی کر
لے۔ مگر سرکار و دعاء کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھے۔

تو غنی از عہد دو عالم میں فقیر
روز عشر مزار رکھے میں پذیر
در حسابم را تو ہمیشہ ناگزیر
از نگاہ منطفیہ پنہاں بجیر

علامہ اقبال اسلام کی خدمت کا جذبہ رکھتے تھے، قرآن پاک کے موضوعات پر
کام کرنا چاہتے تھے اور اس سب کچھ سے ان کا منشا حضور پر نور کی خوشنودی
تھا۔ سید اس سعود کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں :

”تمنا ہے کہ مرنے سے پہلے قرآن کریم سے متعلق اپنے افکار قلم بند کر جاؤں
تاکہ (قیامت کے دن) آپ کے عہد امجد (حضور نبی کریم) کی زیارت مجھے
اس المہینا بن فاطمہ کے ساتھ پیش ہو کہ اس عظیم انسان دین کی جو حضور نے
ہم تک پہنچایا ہو کوئی خدمت بجا لا سکا“

(اقبال نامہ، حصہ اول۔ مرتبہ شیخ عطاء اللہ ص ۱۳۶)

امام احمد رضا تمام عمر دین متین کی تبلیغ کرتے رہے، اپنے آفادہ مولا کی رفعت ذکر
کے نام یوا رہے، شریعت پر مائل رہے لیکن اپنے آپ کو جنت کا مستحق اس بنا پر سمجھتے

ہیں کہ سرکار بنائے ہیں، رحیم درویش ہیں، اپنے بندے کو فادہ گیر کے خوف سے نجات
دیں گے۔ رضا بریلوی کا ایمان اس معاملے میں کتنا پختہ ہے، حضور کے کرم پر ایمان کا
اعتقاد کتنا مخلصانہ اور والدانہ ہے، مندرجہ ذیل فعیقہ نظم اس کا مظہر ہے۔

ہے یہی ہو جو مجھے پرستش اعمال کے وقت
دوستوں کا کہوں اس وقت تمنا کیا ہے

لاکشن فریاد ہری شن کے یہ فرمائیں حضور
ہاں کوئی دیکھو یہ کیا شور ہے، غوغا کیا ہے
کون آفت زدہ ہے کس پر بلا ٹوٹی ہے
کس مصیبت میں گرفتار ہے مدغم کیا ہے

یوں ملائک کریں معروض کہ اک عبث دم ہے
اس سے پرستش ہے بتاؤ نے کیا کیا کیا ہے
اپنے سے کرتا ہے فریاد کہ یا شاہ رُسل !
بندہ ہے کس ہے شہا، رحم میں وقف کیا ہے

شن کے یہ عرض مری مجھ کرم جوش میں آئے
یوں ملائک کو ہوا رشاد اظہر کیا ہے
ان کی آواز پر کراہوں میں بے ساختہ شور
اور ٹپ کر یہ کہوں باب مجھے پروا کیا ہے

دونوں عشاق کا دربار رسول میں مقام

اعلیٰ حضرت بریلوی اور علامہ اقبال کی محبت کی پذیرائی سرکار نے یوں فرمائی کہ دونوں کو دربار میں مقام خاص عنایت ہوا۔ فقیر سید وحید الدین نے علامہ اقبال کے بھائی شیخ اعجاز احمد کے حوالے سے لکھا ہے کہ ۱۹۲۰ء میں کشمیر کے ایک پیر زادے علامہ سے ملنے آئے اور بتایا کہ :

”میں نے ایک دن عالم کشف میں بنی کریم کا دربار دیکھا۔ صف نماز کے لئے کھڑی ہوئی تو حضور سرور کائنات نے دریافت فرمایا کہ محمد اقبال کیا کہتے ہیں؟ معلوم ہوا کہ مغل میں نہ تھا اس پر ایک بزرگ کا اقبال کے بلائے کے لیے بھیجا گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نوجوان آدمی جس کی ڈاڑھی سنڈی ہوئی تھی اور رنگ گورا تھا ان بزرگ کے ساتھ نمازیوں کی صف میں داخل ہو کر حضور کی دائیں جانب کھڑا ہو گیا.....“

اس کشمیری پیر زادے نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ میں نے آج سے پہلے نہ تو آپ کی شکل دیکھی تھی اور نہ میں آپ کا نام اور پتا جانتا ہوں.....“

(روزگار فقیر - جلد دوم - ص ۱۷۲)

اسی طرح مولانا احمد رضا بریلوی کے سوانح نگار مولانا ابوالعین احمد کھٹک لکھتے ہیں کہ ”ایک شاہی بزرگ دہلی تشریف لائے انہوں نے بتایا کہ مجھے ۲۵ صفر ۱۳۴۱ھ کو خواب میں بنی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ دیکھا کہ حضور تشریف فرما ہیں، صحابہ کرام حاضر دربار ہیں لیکن مجلس پر سکوت طاری ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ کسی کا انتظار ہے۔“

محمد نے بارگاہ رسالت میں عرض

”کہ خداک ابی وامی! کس کا انتظار ہے۔“ میدد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا کہ احمد رضا خاں کا انتظار ہے۔ میں نے عرض کی کہ احمد رضا خاں کون ہے؟ حضور نے فرمایا : ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں۔ بیلاری کے بصر میں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا مولانا احمد رضا خاں صاحب ٹوٹے ہی جلیل القدر عالم ہیں اور بقیہ حیات ہیں۔ مجھے مولانا کی ملاقات کا شوق پیدا ہوا۔ میں ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ جب بریلی پہنچا تو معلوم ہوا ”ٹھیکہ ساسی رور“ (۲۵ صفر ۱۳۴۲ھ) ان کا انتقال ہو گیا۔

(سوانح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا ص ۲۹۲)

کلام میں ارشادات قرآن و احادیث کا عکس

محمد دین دولت اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا بریلوی اور حکیم الامت علامہ اقبال نے شہنشاہ داریں کی تعریف و ثنا کو اختیار کیا۔ ان دونوں حضرات نے یہ روش خداوند تعالیٰ کے حکم اور عمل کی تعمیل میں اختیار کی تھی۔ اس لیے دونوں نے قرآنی کرم سے مکمل طور پر استفادہ کیا۔ اعلیٰ حضرت کا دعویٰ ہے :

ہوں اپنے کلام سے نہایت محفوظ

بے جا ہے ہے المنة لله محفوظ

قرآن سے میں نے نکت گئی سبھی

یعنی رہے احکام شریعت محفوظ

علامہ نے بھی اس شخصیت کی تعریف و ثنا کی جس کے بغیر نہ خدا کی ربوبیت کا اظہار

ہوتا، نہ قرآن نازل ہوتا، نہ سورخ وادعی سینا کا ذکر پھڑکتا۔

وہ دانائے قبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے

غبار راہ کو بخشا، نہ رخ وادعی سینا

۳۸
نگاہ عشق دستی میں دی اول دی احسن

دی قرآن دی فرقان دی یس دی ملا

کلام رضا کا اگر قرآن و حدیث کا روشنی میں تجزیہ کیا جائے تو کوئی بات ایسی نہیں ملتی جو اس دائرے سے باہر ہو۔ ان کی ایک مشہور سنت کا شعر ہے:

وہ خدا نے ہے مرتبہ کو دیا، نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا

کہ کلام ہمدانی نے کھائی شہادتیں شہر و کلام و بقاء کی قسم

قرآن پاک میں محبوب کے شہر کی قسم اس طرح کھائی گئی۔

لَا أُقْسِمُ بِهَذَا اللَّيْلِ وَ أَنْتَ حَبِيبٌ بَهَذَا اللَّيْلِ

مجھے اس شہر کی قسم ہے، اس لیے کہ اسے محبوب تو اس

شہر میں تشریف فرما ہے،

کھائی مستراح نے خاک گزر کی قسم

اُمی کہنہ پاک حرمت پر لاکھوں سلام

کلام محبوب کا ذکر یوں کیا گیا ہے:

وَقِيلَ يَا أَرْبَابُ هَؤُلَاءِ قَوْمِ لَا يَمُوتُ مَنَّانٌ

(مجھے رسول کے اس کہنے کی قسم ہے کہ اسے میرے رب،

لوگ ایمان نہیں لاتے)

اور بقائے حبیب کی سوگند ان الفاظ میں کھائی:

لَعَمْرِي أَنْتَ لَفِي سَكْرَتِهِ يَجْهَلُونَ

وہ مجھے تیری جان کی قسم، یہ کافر اپنے نشے میں اندھے

ہو رہے ہیں)

اللہ کریم نے اپنے محبوب بندے کو جو کچھ غایت فرما، تھا سچا کر دیا

خدا کی عطا پر ہم آج کچھ غصہ نہ کریں تو بلا ہے نامناسب ہے۔ کیونکہ اگر

خدا کر بتانا ہوتا کہ کیا دیا اور کیا نہیں دیا تو وقاحت کر دیتا۔ اس نے تو فرمایا

فَمَا وَحَنَى آلِي عِيسَى مَا وَحَنَى

غصے ماوحی کے جو چکے دنی کے بانی میں

بیل سدرہ تک ان کی جوتے بھی محرم نہیں

اعلیٰ حضرت فضائل کتاب قوسین او آذنی کا تشریح فرماتے

سے کہتے ہیں۔

کہ ان اکنان کے جھوٹے نقطہ تم اول آفر کے پیر میں ہو

میٹھ کا چال سے تو پر چھو، بدھ سے آئے، کوہر گئے تھے

خدا سے اقبال کا رنگ کلام ملاحظہ ہو:

رنگ او آذنی میں رنگیں ہو کے اسے ذوق طلب

کوئی کہتا تھا کہ لطف مباحلہنا اور ہے

حضور سرور کائنات نے فرمایا:

"لِي مَعَ اللَّهِ وَقْتُ لَا يَسْعَى فِيهِ نَبِيٌّ مُرْسَلٌ وَلَا مَلَكٌ

مُتَرَبِّ"

یعنی ایک وقت ایسا آتا ہے کہ میں خدا کے ساتھ تنہا ہوتا ہوں،

اس وقت نہ کوئی مرسل و نہ اسکا ہے اور نہ کوئی فرشتہ مترب۔

علامہ اقبال پر اس حدیث پاک کا اتنا گہرا اثر ہوا تھا کہ انہوں نے

تشکیل ہدایہ انبیاء اسلامیہ (اپنے مشہور نیک چروں) میں بھی اس کا ذکر کیا

ہے۔ شہزادی اسرار غوری میں کہتے ہیں:

۴۰
تو کہ از وصلِ زمانِ آگہ نہ

از حیاتِ مبادواں آگہ نہ

تا کجا در روز و شب باشا میر

مزد و قوت ازلی مع اللہ یاد گیر

علامہ نے اس حدیث مبارکہ کا ذکر پاک "جادید نامہ" میں بھی کیا ہے۔
زردانِ روقت کہتا ہے (انعام اللہ خاں ناصر نے ان اشعار کا ترجمہ یوں کیا ہے)

لی مع اللہ جس کے دل میں بس گیا

اس نے میرے سحر کو باطل کیا

چاہتا ہے تو اگر مجھ سے اماں

لی مع اللہ کہ بسا دردِ زباں

لی مع اللہ ہے نہ جانے سحر کیا

میری نظروں سے یہ عالم چھپ گیا

رضا بریلوی اس حدیث کا ذکر اس طرح کرتے ہیں :

نبی سرور ہر رسولِ دولی ہے نبی راز دار مع اللہ لی ہے

احی حضرت علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ جس کو خدا پڑھنا سکھائے اس کو کسی استاد

کا منت کش ہونے کی کیا حاجت ہے۔

ایا اُمّی کسی لیے منت کش استاد ہو

کیا کفایت اس کو اقواء ربک الا کرم نہیں

سہ کار نے فرمایا کہ جس نے میری تربت کی زیارت کی اس پر میری شفاعت

واجب ہو گئی۔ اس نوید پر رضا بریلوی درودوں کی سوغات پیش کرتے ہیں۔

۴۱
مَنْ زَارَ قُرْبَتِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي

ان پر درود اچھ سے زید ان بزرگ ہے

سہ کار ارشاد ہے : اَنَا قَاسِمُ وَاللّٰهُ يَعْطِي۔ خدا عطا کرتا ہے

اس کی۔ اعلیٰ حضرت کے کلام میں اس حدیث پاک کا عکس اور اس کا اظہار

یہ ہے :

مَنْ لَمْ يَكُنْ حَاحِكُ هَوْنٍ رَزَقَ كَيْفَ هَوْنٍ

تم سے ملا جو ملا۔ تم پہ کر درود درود

اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور کو یا المؤمنین رؤف مہیم فرمایا اور سرکار کو

مہم دیا کہ سائلوں کو نہ بھڑکیں۔ رضا بریلوی کہتے ہیں :

مومن ہوں اوسنوں پر رؤف و مہیم ہو

سائل ہوں سائلوں کو خوشی لا نفور کی ہے

خداوندِ کریم نے حضور کے بابرکت وجود کے باعث مسلمانوں کو عذاب نہ ملنے کی

بشارت دی ہے۔ مَنْ لَا يَعْذُ بِهٖ وَانْتَ فِيْهِمْ

انت، جنہم نے عذر کو بھی لیا دامن میں

میش جادید مبارک تجھے شہیدانی دوست

علامہ اقبال نے قرآن و احادیث کے ارشادات کو اپنی روح و جان میں سمایا ہے اور

سرورِ کائناتِ فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث کو شعروں میں پیش

کیا ہے۔ حضور نے فرمایا :

لَا تَسْبِغُوا الدُّهْرَ وَاسْتَغْفِرُوا الدُّهْرَ۔ زمانے کو نہ نہاؤ، اور اس سے معاف کرو۔

ہوں۔ اقبال کہتے ہیں :

زندگی از دھند و دھرا زندگی ست

لا تسبقوا الدھر حسداً فی ست

سرکار نے دھند زمین کو مسلمانوں کے لئے مسجد قرار دیا، علامہ نے منقوی
پس چہ باید کرد۔ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

مومنان را گفت آن سلطان دریں

مسجد من ایں ہر رُوسے ز میں

آقا د مولیٰ مدیدہ امتیہ و اثنا کار شاد ہے کو شیطان ہمیشہ جماعت سے دور رہتا ہے۔

حزن جاں کن گفتہ خیر البشر

بست شیطان از جماعت دور تر

مدیث ہے کہ جنت ماؤں کے پاؤں تلے ہے۔

گفت آن مقصود حرف کن نکلاں

نیر پاسے اتہاست آمد جہناں

سرکار دو عالم نے مزدور کو خدا کا دوست فرمایا، اسرار و رموز میں علامہ

اتہال نے کہا :

آنکہ عاشق بنان از کبہ رفت

مرد کا سب را حبیب اللہ گفت

اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اتہال ہوں یا احمد رضا دونوں احمد بیٹی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہم گرامی کر

اپنی زندگی اور بقا کا ضامن سمجھتے ہیں۔ دونوں جانتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دو ملکا

اس حقیقت کا لوگک ہو جائے کہ یہی نام نامی و تحقیق کائنات ہے، یہی نام
کائنات کے ایمان کی جان ہے۔ یہی نام ہے جو زبان پر جاری ہو دل میں جاگزیں
ناغ پر پر تو فگن ہو تو ہمارا تشخص ہے اہم ہیں۔ ورنہ کچھ نہیں۔ بالکل دریا
اتہال کہتے ہیں۔

سار کارواں ہے میسہ حجاز اپنا

اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

اب شکوہ میں خداوند دو عالم بندہ مومن کو مخاطب کر کے دھند میں

گفتہ اُجالا کرنے کی پدایت دیتے ہوئے اس اہم مبارک کیوں تعریف کرتا ہے :

ہو نہ یہ بھول تو بھیل کا ترنم بھی نہ ہو

چمن و بریں کیوں کا جسم بھی نہ ہو

یہ نہ ساقی ہو تو پھرے بھی نہ ہو غم بھی نہ ہو

برج تو حید بھی دشا میں نہ ہو غم بھی نہ ہو

غیر افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے

نہیں ہستی پیش آمادہ اسی نام سے ہے

دشت میں دامن کہار میں میدان کیجے

بحر میں امیر کے آغوش میں طوفان کیجے

پہاں کے شہزاد کش کے بیابان میں ہے

اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے

چشم اقوام یہ نظارہ ابہر تک دیکھے

رفعت شان رفعت لاک ذی کوک دیکھے

حضرت رضا بریلوی اہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا درد اس انداز میں کرتے ہیں :

محمد مظهر کامل ہے حق کی شان عزت کا
نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ اندازِ وحدت کا

وہ نامی کہ نامِ مستدام قیرا
دوت دریم و صمیم و صلی ہے

دوم نزع جاری ہو سبیری زباں پر
محمد محمد خدا کے محمد !

عشقِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء

نہد اسلام اعلیٰ حضرت عظیم ابرکت علیہ الرحمۃ کی زندگی کا تو شخص ہی عشقِ رسول
تھا۔ ان کے مخالفت بھی اس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔ کیوں نہ ہو جنہوں نے عمر
محبوبِ خدا کی تعریف کی، حضور کے مترضین کا جواب دیا، قرآنِ پاک کا ترجمہ کیا،
تفسیر کی، تو حضور کی محبت ان کے شامل حال رہی۔ فقہ و حدیث کے موضوع پر تو
اٹھایا تو عشقِ مصطفیٰ سے قوم اٹھانے کی ہمت طلب کی۔ وہ استراحت فرماتے تھے آ
اس انداز میں بیٹھتے تھے کہ محبوبِ پاک کا نام گرا ہی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن جائے۔
اعلیٰ حضرت رعتہ اللہ علیہ کا نام غیبتِ رسول و علیہ السلام، میں مثال کی حیثیت اختیار
کر گیا ہے۔ دشمن بھی اس کے قائل ہیں۔ ان کے یہ اعتراضات ان کی کئی تصانیف میں
اہلِ علم و دانش کی نظر سے گزر چکے ہیں ذرا یہ بھی دیکھئے کہ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ

کی زندگی اس پہلو سے ہمارے لیے کتنی واجب الاحترام ہے۔ غلامِ بھیکِ نیرنگ
مضنون اقبال کے بعض دعوت کے آخر میں رقم طراز ہیں۔

اقبال کا قلبی تعلق حضور سرور کائنات کی ذاتِ تقدس و صفات سے اس قدر
اڑک تھا کہ حضور کا ذکر آتے ہی ان کی حالت دیگرگوں ہوجاتی تھی اگرچہ
وہ فوراً ضبط کر لیتے تھے۔ چرنکو میں بارہا ان کی یہ کیفیت دیکھ چکا تھا۔ اس
سے میں نے ان کے سامنے تو نہیں کہا مگر خاص خاص لوگوں سے بطور راز ضرور
کہا کہ یہ اگر حضور کے مرقہ پاک پر حاضر ہوں گے تو زندہ واپس نہیں آئیں گے،
وہیں جاں بحق ہوجائیں گے۔ میرا اندازہ یہی تھا اللہ میسر فرماتا ہے !
(اقبال لاہور۔ کمزبر، ۱۹۵۷ء ص ۳۰)

نظر علی خاں نے اقبال کے متعلق کہا،

اقبال پکا مسلمان اور سچا عاشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ وہ روحِ قدس
رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عشق میں، وہ روحِ قدس اسلام کی محبت میں !
(گفتارِ اقبال از : محمد رفیع انصاری، ص ۴۷)

پروفیسر یوسف سلیم چشتی اپنے ایک معنون "اقبال اور عشقِ رسول" میں لکھتے ہیں،
"مجھے ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۸ء تک ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع بھی ملا
رہا۔ میں اپنے ذاتی مشاہدے کی بنا پر بھی کہہ سکتا ہوں کہ جب بھی سرکارِ دو عالم
صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تھی ان کی زبان پر آیا تو سنا ان کی آنکھیں پُر ہو گئیں۔
اقبال عشقِ رسول میں اس قدر ڈوب گئے تھے کہ جب عاشقانِ رسول کا تذکرہ
کرتے اس وقت بھی آبدیدہ ہوجاتے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے ایک دن
مرحوم علم الدین شہید (قائمِ راجپال) کا ذکر چلا تو علامہ فرطِ عقیدت سے اٹھ کر
بیٹھ گئے۔ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہنے لگے : "اسیں گلاں کرے رہے تھے
ترخانوں دانستہ بازی لے گیا"

(مبصر کراچی - ستمبر ۱۹۷۲ء ص ۶۰)

اعلیٰ حضرت بریلوی کا قرآن فہمی پر بہت مفید کتابیں چھپ چکی ہیں میرا ممنوع یہ نہیں
 میں صرف اس امر کی طرف توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے قرآن پاک کا ترجمہ
 کیا تو اس میں بھی عشق مصطفیٰ کا اپنی خصوصیت سے کام لیا۔ انہیں خدام احمد رضا لاہور کے
 مدد مولیٰ محمد اکرم لے سی اہلے اپنی تالیف "عارف اعلیٰ حضرت" میں لکھتے ہیں :
 "قیسویہ پائیس کی سرورہ والفضلی کی آیت "وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ" کا ترجمہ ملانے
 میں کیا ہے :

مولوی محمد حسن صاحب	اور پایا تجھ کو جھٹکتا پھر راہ سبھاکی
مولوی اشرف علی تھانوی صاحب	اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے (شریعت سے) بے خبر
مولانا ابوالوعلی مودودی صاحب	پایا سر آپ کو (شریعت کا) راستہ دکھلایا
اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ	اور تمہیں نادانفت راہ پایا اور پھر ہدایت کی
	اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی
	طرف راہ دی۔

پہلے قیڑوں ترجموں میں انہوں نے جھٹکتا بے خبر "نادانفت" کی نظر میں۔ اور زبان کی سب
 سے بڑی لغات "جاسع لغات" میں اس فقرے کے معنی یہ لکھے ہیں۔ گمراہ ہونا۔ اور پھر
 جب کہ خدا کا ارشاد ہے : مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ (پ ۲۷ ص ۵۴)
 میں تمہارے صاحب نہ بھٹکے نہ بے راہ ہے
 پھر ان مترجمین کا یہ لکھنا کہ ہم نے تجھے جھٹکتا یا بے خبر پایا "نادانفت" پایا کیسے قدر
 ایمان سوز ہے۔ ان مترجمین نے ایک عقلی معنی کے پیچھے چڑھ کر یہ نہ سوچا کہ ادنیٰ
 لوگوں کے یہ قسم کس عظیم اور عظیم القدر رستی کے تعلق کیا کھینچ کی جہالت کرے ہیں۔ اعلیٰ حضرت
 بریلوی نے آیت زیر نظر کے ترجمے میں اپنی بے مثال لغت "دانی اور حبیب" رسول صلی اللہ
 علیہ وسلم کا عظیم ثبوت دیا ہے : (عارف اعلیٰ حضرت - ص ۱۶)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے نزدیک عشق مصطفیٰ میں وہ لذت ہے کہ وہ اس درد کی
 دوا کا تردد اپنے آپ پر ظم سمجھتے ہیں۔

ہاں ہے عشق مصطفیٰ "دور" فزوں کرے خدا
 جس کو ہو درد کا مزا "لہز" دوا الٹھائے کیوں
 اگر وہ اسے سعادت سمجھتے ہیں کہ اس عظیم ہستی کے عاشق ہیں "ہم" ہوا ہیں جس کو
 یہی محبت کرتا ہے۔

جس کا حسن اللہ کو بھی بھاگی
 ایسے پیارے سے محبت کیجئے
 قراбал کے نزدیک بھی مسلمانوں کے ہر قوی سرفراز کا واحد علاج عشق رسول میں
 دامن و منہر ہے۔

وقت عشق سے ہر پرست کو پا کرے
 دہریں اہم مستند سے اقبال کرے
 وہ کہتے ہیں کہ عشق مصطفیٰ ہی کے کرشمے ہیں کہ بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا اہم گرامی آج
 ایک بے یس باجہروت شہباز "خدا کے مانسے دوست اور اسلام کے مانسے فرزند
 تہ و احترام سے پیتے ہیں :

اقبال کس کے عشق کا یہ فیض نام ہے
 رومی منت ہوا، حبشی کو دوام ہے
 اقبال کو یہ بھی احساس ہے کہ عشق ہی اتنی چڑی دوست ہے کہ اس کے حصول کے بعد
 تہ کی ہر چیز سحر ہو جاتا ہے اور عاشق رسول کو دل کی گہرائیوں سے احترام کرتا
 جب نور خدا عاشق مصطفیٰ کو اپنا محبوب قرار دیتا ہے تو ایسا کیوں نہ ہو

شید عشق نبی ہوں، میری کندہ پر شمع قریب لگی
اتھا کے لائیں گے خود فرشتے چراغِ خورشید سے جلا کر

اقبال کہتے ہیں :

”خوش وہ دل جو عشقِ نبوی کا شین ہو“

(انوارِ اقبال از شبیر احمد شاہ، ص ۵۵)

ہر کہ عشقِ مصطفیٰ سامانِ اوست

بحر و بر در گردشِ دامنِ اوست

اقبال خدا کے حکم کی تعمیل میں سرکارِ کوہِ الدین اور دیگر تمام مخلوق سے زیادہ محبوب سمجھتے ہیں اور ان کا سینہ حضور کے عشق کی آگ سے روشن اور ان کی روح آپ کے نور سے منور ہے :

تا مرا اُفتاد بر رویت نظر

از اب و ام گشتہ بیوب تر

عشق در من آتھے افروخت است

فرخش باد کہ جانم سوخت است

اقبال کے نزدیک حضور کے کسی عمل کی مطلق تقلید بے معنی ہے۔ جب تک اُن کی محبت دل میں رچ بس نہ جائے، جسم و جان کو خدا و رسول کے حکم کی متابعت میں رکھنا بے فائدہ ہے۔ سرکار نے کسی بھی کام کے متعلق ارشاد فرمایا، ”آپ اسے کرتے ہیں حضور نے کوئی کام کیا، کسی کام سے بچتے ہوئے، آپ بھی یہ کام کرتے ہیں“ اُن کا کام سے امتثال یہ ہوتے ہیں لیکن آپ کا دل سرکار کی ہمت سے خالی ہے تو آپ کا عمل بے معنی ہے، رائدہ و رگدہ کا دل ایزیدی ہو جائے گا۔

علم حق بغیر از شہادتِ بیچ نیست

اصلِ سنت جز تحتِ بیچ نیست

علامہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص عشقِ نبوی کی دولت سے فیضِ یاب ہونا چاہتا ہے تو وہ صدیقِ وحی کا سوزِ خدا سے طلب کرے۔

سوزِ صدیقِ وحی از حق طلب

نزدہ عشقِ نبی از حق طلب

اور سوزِ صدیقِ وحی کیا ہے، اس کی تشبیہ میں اعلیٰ حضرت داخل بریلوی پہنچے ہیں کہ چکے ہیں، کہتے ہیں،

مرلا علی نے داری تری نیستہ پر نماز

اور وہ بھی مصر سب سے جوا علی اظہر کی ہے

صدیقِ چکے نار میں ہاں اس پر دے چکے

اور حفظِ ہاں تو بیانِ مشروحِ غری کی ہے

ہاں اُن نے اُن کو جانِ انہیں پھیر دی نماز

پر وہ ذکرِ چکے تھے جو کرنی بشر کی ہے

نکابتِ ہوا کہ جہادِ فرائضِ مشروح ہیں

اصلِ اصولِ بندگی اُنس تا بعد کی ہے

رضا بریلوی ندکس سرۃ العزیز نے ایک شعر میں اثراتِ حسنِ یوسفی اور عشقِ شمسِ شریفی کا تقابل عجیب انداز میں کیا ہے :

حسنِ یوسف پر کشیں مصر میں انگشتِ زہاں

سرکھاتے ہیں قرے نام پر مردانِ عسریہ

صدر الشریعہ علامہ امجد علی دہلوی (خلیفہ اعلیٰ حضرت) کے عاصی زادہ علامہ

عبدالمصطفیٰ از سر ہی کہتے ہیں :

اس شعر کے دونوں مصرعوں میں ایک ایک لفظ ایسے تقابل سے آیا ہے جس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی انصافیت حضرت یوسف علیہ السلام پر ثابت ہو رہی ہے :

- ۱۔ وہاں حسن ، یہاں نام
- ۲۔ وہاں کفن ، عجم قصد پر رلاست کرتا ہے یہاں کٹنا مقصد دارا وہ بتاتا ہے۔
- ۳۔ وہاں مصر یہاں عرب کہ زمانہ جاہلیت میں ان کی سرکشی و خود سری مشہور تھی۔

احترام رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)

جو شخص خداوند تبارک و تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اس کے لئے رسول کی تعظیم واجب ہے وامنستند ہو سنی وعتد رتھوہم

(اور میرے رسول پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم کرو)

لیکن جب افضل الرسل ، امام الانبیاء علیہ السلام کا ذکر ہو تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہیں پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہراؤ جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے ، ان کی آواز سے اپنی آوازوں کو اونچا کرنے کی ہدایت موجود ہے ، سرکار کو راجعاً کہنے کی اجازت نہیں ، انظرنا کہنے کا حکم ہے کیونکہ ان کی نظر کرم ہی سے بات بنتی ہے حضور کی محبت کو ماں باپ ، اولاد اور جان سے زیادہ اہمیت دینے کا نام ایمان ہے۔

تاما را افتاد برودیت نظر

از اب وام گشتہ محبوب تر (اقبال)

اسی حضرت رضا بریلوی عرض کرتے ہیں :

ماں ، دونوں بھائی بیٹے ، بھتیجے ، سسر زید دوست
سب تجھ کو سونپے ، ملک ہی سب تیرے گھر کی ہے
اسی طویل تفسیر میں ایک اور مقام پر کہتے ہیں :
میں خانہ زاد کہند ہوں ، صورت دکھی ہوئی
بندوں ، کنیزوں میں مرے ماور پد رکی ہے

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خداداد کریم نے قرآن پاک میں ان کے نام کے بجائے القابات سے یاد فرمایا ہے ، آج جانتے کیوں اسلام کے نام لیاؤں میں کئی حضرات حضور اکرم کا اسم گرامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ، کہتے پر اکتفا کرتے ہیں ، ایک بار ایک سلطان نوجوان علامہ اقبال سے ملنے آیا وہ اپنی گفتگو میں یاد پارسو رو کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ”محمد صاحب“ بہر پکارتا ، علامہ کو اس سے بے حد رنج ہوا ، آنکھوں میں آنسو آگئے اور دیر تک یہ کیفیت رہی (مفتون رسالت مآب اور اقبال از پروفیسر رحیم بخش شاہین ، فکر و نظر سیرت نمبر ۹۷۶ ج ۱ ص ۷۷)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کہتے ہیں کہ پنجاب کے ایک رئیس نے تازنی مشور سے کے لئے اقبال کو بلایا ، اپنی شاندار کوٹھی میں ان کے قیام کا انتظام کیا مگر اقبال نے ہر طرف عیش و تنعم کے سامان دیکھے تو دل میں خیال آیا کہ ”جس رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتوں کے صدمے میں آج ہم کو یہ مرتبہ نصیب ہوئے ہیں ، اس نے بڑے بڑے سوکر زندگی گزاری تھی ۔۔۔ خیال آنا تھا کہ آنسوؤں کی جھڑی بندھ گئی اور غل خانے میں ایک چار پاتی بچھا کر اس پر سوتے“ (اقبال کی ایک تصویر ، ابوالاعلیٰ مودودی ، سیرہ ، اقبال نمبر ۱۹۶۳ ص ۱۴۱)

۱۹۳۳ء میں ایک نوجوان نے کہا کہ ”حضرت عمر فرماتے تھے کہ آنحضرت جب چلتے تو رخت تعلیم کے لئے ٹھک جاتے تھے“ اس نوجوان کے خیال میں یہ واقعہ قابل توجہ تھا۔

علامہ اقبال نے فرمایا "اگر نہیں عمر کی آنکھ نصیب ہو تو ہم بھی دیکھ سکے کہ دنیا ان کے سامنے
جھک رہی ہے" و حیات اقبال کا ایک سبق مندرجہ جلد ہزار اقبال نمبر

مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ بھی اسلام کے مبلغ باطل ہونے کے بدلتے علامہ
کے ہم خیال ہیں۔

اپنے مولا کی بے بس شان عظیم، جانور بھی کریں جن کی تعلیم
سنگ کرتے ہیں ادب سے تعلیم، پتھر سجدے میں گر کرتے ہیں

نقاشِ نظرت ایم اہل اسلام اپنے ایک مضمون میں علامہ اقبال اور رضا بریلوی کے متبع میں ہر کار
کا تجزیہ نام لینے والوں کی حالت پر انھوں کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں :-

ہمارے ہاں سب سے پہلے سرسید احمد خاں نے تفسیر قرآن شریف میں
حضور اکرم کے لئے "جناب" کا لفظ استعمال کیا یعنی "جنابِ پیغمبرِ صاحب" لکھا۔
پھر مولوی (ڈپٹی) اندر احمد خاں دہلوی نے آیات قرآنی کی تفسیر کرتے ہوئے حضور اکرم
کے لئے "صاحب" کا لفظ استعمال کیا، جیسے "پیغمبرِ صاحب نے کہا" پھر مولانا شبلی نعمانی
نے سیرتِ پاک میں جبکہ حضور اکرم کے لئے صرف "آپ" استعمال کیا۔۔۔ انھوں کہ
ہمارے دلوں سے اللہ تعالیٰ کے محبوب، رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا احترام مٹ چکا
ہے۔ (حضور کا احترام از ایم اہل اسلام، ماہنامہ مرحمت لاہور، عید میلاد النبی نمبر ۱۹۷۴ء)

ص ۲۷، ۲۸

اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت رضا بریلوی کا موقف یہ ہے کہ

شرک ٹھہرے جس میں تعلیم حبیب

اس بڑے مذہب پر لغت کیجئے

سرور کائنات فخر موجودات علیہ السلام کا احترام اقبال و رضا کا ایمان تھا اس لئے

رضا بریلوی اگر دویم آخر اس وصیت کا اہتمام فرماتے ہیں کہ میری قبر کو اتنا کٹا نہ رکھنا
جس سے نورِ نور وہاں تشریف لائیں تو میں اُن کے احترام میں سرورِ کھڑا ہو سکوں تو
اقبال کا یہ حال ہے کہ جب ایک رشتہ نہیں مضطرب دیکھ کر حکیم احمد شجاع نے وجہ
سبب کی تو انہوں نے کہا "احمد شجاع یہ سوچ کر کہ میں اکثر مضطرب اور پریشان ہو جاتا
ہوں کہ کہیں میری عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر سے زیادہ نہ ہو جائے" خدا نے
ماشتاقِ رسول کی اس تمنا اور دعا کو قبول فرمایا یعنی اقبال ۱۱ برس کی عمر میں فوت ہوئے

علامہ کاغذ فقیر جلد دوم - ص ۷۲

اصل میں علامہ ایسے معاملات میں بزرگانِ دین کی سیرت کو سامنے رکھتے ہیں۔ لاہور
میں عید میلاد النبی کے ایک جلسے کی صدارت کرتے ہوئے انہوں نے حضرت بابرید بٹالوی کا
ادراک جو کچھ آغا کوہند نے ان کی تقلید سے سربراہِ اخوان بھی احترامِ مصطفیٰ کے خلاف ہے۔
کہتے ہیں "حضرت بابرید بٹالوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے غزوہ لایا گیا تو آپ نے کھانے
سے انکار کر دیا اور کہا کہ مجھے معلوم نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کس طرح کھایا تھا۔
ہمارا میں ترکِ سنت کا متحکب ہو جاؤں

کاملِ نظام و تقلیدِ سرور : احتیاب از نورِ دل غروب نہ کرو

رائد اقبال مرتبہ غلام دستگیر رشید مطبوعہ جدید آباد وکن ص ۳۰۰، ۳۰۹

اور سرکارِ دو جہاں کے حضور رضا بریلوی ادب و احترام کو کس حد تک اہتمام کرتے

تھے، یہ بھی سنیں!

حضور اُن کے خلاف ادب بھی بے تاب

مری اسید تھے آرہیدہ ہونا تھا!

توہین رسول (علیہ السلام)

ولید بن مغیرہ نے روضۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی، (انہوذا اللہ نہیں بخیر) کہا تو خالق و مالک کائنات نے سورۃ القلم میں جہاں ولید کے دس عجیب گناویں، جن میں سے آخری "بعد اللہ زعم" یعنی ولید کا تخم حرام ہونا ہے، وہاں اس کے ناکرے پر ایک واضح نشان لگا کر اس کو نشانہ عبرت بنانے کا اعلان بھی فرما دیا۔ نیز سورۃ کوثر میں نسر دیا:

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ

و بے شک جو تمہارا دشمن ہے، وہی ہر شے سے محروم ہے)

— تو پھر علامہ اقبال اور اعلیٰ حضرت خدائے تعالیٰ کی اس سنت سے محروم ہونا کیوں پسند کرتے۔ انہوں نے بھی حضور کی توہین کرنے والوں کے خلاف آواز بلند کی، تمام عمر جہاد کیا۔ علامہ اقبال سید سلیمان ندوی کے نام ایک مکتوب میں استفسار کرتے ہیں کہ فقہ اسلامی کی دوسری توہین رسول کی تعزیر بتائیں اقبال نے مارحقہ اول مرتبہ شیخ عطاء اللہ ص ۱۸۹، ۱۹۰ء علامہ نے غازی علم الدین شہید کے معاملے میں "توہین رسول" کی اہمیت پر ایک بیان میں کہا مسلمان اس ایچی ٹیشن سے اسلام اور پیغمبر اسلام کی عزت کا تحفظ چاہتے ہیں۔ اس ہی وکوشش پر مجھے نہ صرف ان سے بعد روکا ہے بلکہ میں ان کو بالکل حق بجانب سمجھتا ہوں اور اس معاملہ میں کسی قسم کا تساہل روا رکھنے والے کو شقی اذی تصور کرتا ہوں۔ (انقلاب ۱۹۲۷ء جولائی ۱۹۲۷ء) ۱۰ جولائی ۱۹۲۷ء کو شاہی مسجد کے جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے توہین رسول کے علاج کے لئے مسلمانوں کو اپنی ساری قوتیں جمع کرنے کی تلقین کی، اصل مقصد توہین رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا علاج ہے۔ امید ہے کہ آپ اس مقصد کو پیش نظر رکھیں گے اور سب سے پہلے صرف اسی کے لئے جدوجہد کریں گے۔ جدوجہد سے پہلے اپنی تمام قوتیں

بن کر لیں، (گفتار اقبال از محمد رفیع انضیل ص ۲۴)

اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی بھی حضور کے دشمنوں کے کئی قسم کی رو رعایت کوئی زندگی کے لئے سم قابل سمجھتے ہیں، کہتے ہیں:

دشمن احمد پر شدت کیجیے

مکھو دلوں سے کیا مردّت کیجیے

وہ اس سلسلے میں اپنے قلم سے خیر و خوار کا کام لیتے ہیں۔

کلب رضا ہے خیر و خوار، برق بار

اعدائے کہہ دو، خیر منائیں، نہ شر کریں

وہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدد کے سینے میں غار ہے

کے چارہ جوئی کا داو ہے کہ یہ دار وارب سے پار ہے

اعلیٰ حضرت بریلوی نے زندگی میں چند عبارات پر کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ اولاً انہوں

نے مرزا غلام احمد دہلوی کی کفر کی ہے۔ ثانیاً اس عبادت پر کہ اگر آنحضرت کے بعد نبی نہیں پیدا ہو جائیں تو بھی آپ کی خاتمیت میں فرق نہیں آئے گا ثالثاً اس اصرار پر کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے۔ رابعاً شیطان اور ملک الموت کو ساری زمین کا علم رکھنے کے عقیدے پر اور خامشاً اس بات پر کہ جتنا علم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، اتنا تو بچوں، پاگلوں اور جانوروں کو بھی ہے۔۔۔۔۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے از حد قرآن و حدیث زیادہ تر انہی گویوں پر کفر کا فتویٰ دیا ہے، جو حضور پر نور علیہ السلام کی توہین کے مترتب ہونے اور پھر اس پر اصرار کیا۔

حضور کی عزت پر شمار ہونے کو اپنے لیے باعث فخر قرار دیتے ہوئے رضا بریلوی کہتے

ہیں کہ کچھ لوگ مجھے خوش گایاں دیتے ہیں، میری ذات پر حملے کرتے ہیں تو میں شکر کرتا ہوں

کہ جتنی دیر وہ مجھے کوستے، گالیاں دیتے، بُرا بھلا کہتے ہیں، اتنی دیر خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی توہین و تضحیق سے باز رہتے ہیں۔ اور جسے کبھی اس کے جواب کا وہم بھی نہیں اور نہ کچھ بُرا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری عزت ان کی عزت پر شمار کی ہونے کے لئے بہت بیکار ہو کر ہونا ہی عزت ہے؟ (المغفلہ - جلد دوم - ص ۵۲)

علامہ اقبال کے مشتق رسول کا لائبریری تجربے کے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات یا آپ کے ارشادات کے خلاف کوئی آواز اٹھتی ہے، علامہ وہاں ابطال باطل کا قریضہ انجام دیتے ہیں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کرتے۔ برصغیر کی سیاسی تاریخ میں مولانا حسین احمد مدنی نے جب یہ آواز بلند کی کہ قزاقان اوطان سے بنتی ہیں، تو علامہ نے مقام محمد عربی سے بے خبر ہونے پر ان کی سخت گزشت کی اور فرمایا کہ اپنے آپ کو سرکار کے قدیموں تک پہنچاؤ کہ دین وہی ہیں۔ بصورت دیگر تم ہیں اور ابو اسب ہیں کوئی فرق نہیں ہے۔

عظیم ہنوز نہ اند رنوز دیں ورہ

زور بند حسین احمد ایں چہ بواجہی مست

سرور بر سر منبر کہ تخت از وطن است

چہ بے خبر مقام محمد عربی مست

مبطل فی رساں خویش را گردی ہر اوست

اگر بر آؤ نہ رسیدی تمام بلای مست

آج کل کے متبعین حسین احمد کہتے ہیں کہ انہوں نے قزاقوں کو اوطان سے مشتق نہیں کہا تھا۔ آغا شورش کا شیری مدبر پٹان نے ایک دفعہ طاقت کی حسین احمد مدنی اور علامہ اقبال سے خط و کتابت کر، فلیکس سائے مشامین کے نام سے چھاپ کر یہ باثر جیسے کی کرٹش کی تھی کہ علامہ نے ان کی رخصت پر اپنا اعتراض واپس لے لیا تھا۔ اس سلسلے میں تمیدی سلسلہ میں شورش کا شیری

اپنے مخصوص انداز میں رقمطراز ہیں:

”ابعض عاقبت فرشتوں نے اپنی جانی بچانی صالحین کے تحت مولانا حسین احمد مدنی سے یہ فقرہ منسوب کیا کہ قزاقان اوطان سے بنتی ہیں۔ حضرت علامہ علیہ الرحمہ کا اس جملے پر بے اختیار ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ آپ نے چار شعر کے جوہر کہ دوہو کی لو کہ زبان ہو گئے۔“ (چٹان - ۲۰ اپریل ۱۹۵۹ء - ص ۱۳)

آغا صاحب نے فرمایا کہ میر فقرہ مولانا حسین احمد سے بعض عاقبت فرشتوں نے منسوب کیا۔ حالانکہ اسی اشاعت میں وہ خود طلب الموت کے نام اپنے خط میں اس فقرے کی وضاحت کرتے ہیں، فقرے سے انکار نہیں کرتے۔ نیز ان کے ماننے والے پاکستانی اگر کسی پگوری کے تحت اس مرقف کے منکر بھی ہو گئے ہوں تو کیا کہا جاسکتا ہے اگر ان کے ہندوستانی نام ہو یا اپنے متبعین اب بھی ان کے اس موقف کے نہ صرف قائل ہیں، بلکہ ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ حسین احمد نے اپنا یہ موقف کبھی نہیں چھوڑا۔ عزیزالحسن صدیقی غازی پوری اپنے ایک مضمون ایک مرد مراد قزاق پرست کی مثالی زبان کی ہیں کہتے ہیں:

”حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ حسین احمد مدنی نے جب یہ فرمایا تھا کہ قزاقان اوطان سے بنتی ہیں تو اقبال مرحوم نے شدید تنقید ہی نہیں ان کی تذلیل بھی کی تھی اور اس خیال کی تردید میں بہت آگے نکل گئے تھے۔ کاش مرحوم آج جیتا ہوتے اور اس نظر پر کی بنیاد پر راجعے پاکستان کے دستور کی مذہب کا مال پائی۔ آگے سے دیکھ لیتے تو انہیں یقین آجاتا کہ شیخ وفات اور امام ہند کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ نقش بر آب یا پادری جوا نہیں تھے بلکہ ایک ایسی حقیقت تھے جس کو دنیا نے تسلیم کر لیا۔“

والجملہ دہلی - ابوالکلام آزاد نمبر ۳، دسمبر ۱۹۵۵ء، ص ۱۲۲

آفا شورش کا ٹھیکری اپنی مولہ بالا تحریر میں علامہ اقبال کے موقف کو درست سمجھتے ہیں۔
مصر میں کہ حسین احمد مدنی صاحب نے یہ فقرہ کہا ہی نہیں تھا ان کی اس بات کی تردید فرمودہ
غلیلہ مائے مضامین کے مندرجات ہی سے ہو جاتی ہے، مگر اس سلسلے میں ایک اور واقعہ
اہم ہے جو ہر پڑھ قارئین کو رہا ہوں:

۱۲ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو میں مشہور ماہر اقبالیات محمد عبداللہ قریشی سابق "ادبی دنیا" سے
ملنے "فنون" کے دفتر گیا تو حسین احمد مدنی کے نام میرا۔ جاننا مرزا دہاں موجود تھے۔ میری
موجودگی میں انہوں نے قریشی صاحب سے ملاقات کی حسین احمد اور اقبال کے ساتھ ہونے والی
خط و کتابت کا ذکر کیا اور کہا کہ چودھری محمد حسین نے کسی سازش کے تحت علامہ کے "زبورِ بندہ
حسین احمد" اس چوبال بھی ست "والے اشعار مجھ سے" میں شامل کر دیے ہیں حالانکہ یہ کتاب
میں صفائی ہو گئی تھی تو ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ جاننا مرزا اس مقصد کے لیے چودھری محمد حسین
کے خلاف مواد اکٹھا کرنے کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ قریشی صاحب نے فرمایا کہ محمد حسین کے
بارے میں ڈاکٹر جسٹس ہارید اقبال کی کتاب "سے لازمام" میں بہت تفصیل ملتی ہے کہ انہوں نے
کسی طرح اقبال کی وصلیا پر عمل کیا اور کس طرح وہ اقبال کے بچے دوست تھے۔ قریشی صاحب
نے جاننا مرزا سے کہا کہ آپ کو چودھری محمد حسین سے یہ شکایت ہے کہ انہوں نے یہ اشعار گھسے
ہیں کیوں شامل کر دیے مگر اقبالیین کو اس بات کا افسوس ہے کہ اقبال نے جو اشعار ملاقات سے
خط و کتابت کے بعد حسین احمد مدنی صاحب کا بالکل اسی قسم کا نیا بیان آنے پر کئے تھے، وہ
مجھ سے میں کیوں شامل نہیں کیے گئے۔

واقعے کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے عبداللہ قریشی صاحب نے فرمایا کہ ملاقات کی
خط و کتابت کے بعد جو بیان حسین احمد مدنی صاحب نے دیا اب جناب نفیس رقم صاحب
اسے چھاپ بھی چکے ہیں، اس کو پڑھ کر علامہ نے کہا تھا:

کئے کو بیخ زو ملک و نسب را
ندانند معنی دین و عریب را
اگر قوم از وطن بکوی مستند
ندادے دعوت دین و بولب را

قریشی صاحب نے یہ بھی کہا کہ اگرچہ علامہ اقبال کے مجموعہ کلام میں یہ اشعار شامل نہیں
ہو سکے مگر میں انہیں باقیات اقبال میں شامل کر رہا ہوں۔

اس گفتگو سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جب حسین احمد نے اپنا غلط موقف
تبدیل نہ کیا، تو اقبال کو حق کی راہ سے کون ہٹا سکتا تھا۔ وہ تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے
انعام کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دینے کا جذبہ رکھتے تھے۔

عید میلاد النبی

جس سہانی گھڑی چکا طیبہ کا پانڈ

اس دل افروز ساعت پر لاکھوں سلام (رضا بریلوی)

۱۹۲۶ء میں لاہور میں عید میلاد النبی کے جلسے کی صدارت کرتے ہوئے علامہ اقبال نے
جذبہ تعلید اور جذبہ عمل قائم رکھنے کے تین طریقے بتائے۔ پہلا طریقہ درود و سلام ہے، جو
مسلمان کی زندگی کا جزو لا ینفک ہے۔ دوسرا طریقہ اجتماعی ہے کہ مسلمان کثیر تعداد میں جمع
ہوں اور کوئی حضور آقا نے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح حیات بیان کرے اور
۔۔۔ "تیسرا طریقہ اگرچہ مشکل ہے لیکن بہر حال اس کا بیان کرنا نہایت

ضروری ہے۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ یاد و نول اس کثرت سے اور ایسے انداز میں کی جائے کہ انسان
ماتلب نبوت کے مختلف پہلوؤں کا خود منظر ہو جائے یعنی آج سے تیرہ سو سال پہلے جو حقیقت
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مقدس سے ہویدا تھی، وہ آج ہمارے قلوب

”مجھے اس اطلاع سے بے حد مسرت ہوئی کہ جو بی ہندوستان میں یوم النبی کی تقریب کے لئے ایک دلور پیدا ہو گیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان میں ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کے لئے رسول اکرم کی ذات اقدس ہی ہماری سب سے بڑی اور کارگر قوت ہو سکتی ہے۔“ (اقبال نامہ حصہ دوم ص ۹۲-۹۳)

نور مصطفیٰ (علیہ التحیۃ والثناء)

رحمت عالم نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہی وہ تخلیق کائنات ہے۔ تمام کائنات آپ ہی کے نور سے قیمت پاتی ہے۔ اگر آپ کا وجود نہ ہوتا تو یہ کائنات ہی نہ ہوتی۔

ہر کجا بنی جہاں رنگ و بو
آنکہ از خاکش برید آرزو
یا نور مصطفیٰ اور رہا ہماست

یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ است (اقبال)

اقبال جہاں کائنات کے وجود کو حضور کے نور کا کر مہ جانتے ہیں، وہاں عرفانِ نفس باعث بھی اسی کو سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ دنیا کے اس بت خانے میں اپنی ذات صحیح گاہی سے میں نے اک جہاں عشق و مستی تعمیر کر لیا ہے۔

چرخ خود را در کسار خود کشیدم
بر نور تو مقام خویش دیدم
دری دیر از فوٹے صبح گاہی
جہاں عشق و مستی آفریدم

اقبال کہتے ہیں کہ شیعینی کے باد صفت اگر سر کاہ کا نور میری آنکھوں کو مستحضر کرے
مجھے تاب نظر حاصل ہو سکتی ہے۔

۱۰
کے اندر پیدا ہو جائے۔ و آثار اقبال مرتبہ غلام دنگیر و شہید۔ ص ۳۰۶ و ص ۶۱ پندی
بہادر الدین رکنو بر ۱۹۲۶ء و مقالات اقبال مرتبہ سید عبدالواحد عینی۔ ص ۱۹۲

تمام مسلمانوں کی طرح اقبال و احمد رضا بھی حضور فرخ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیا پر تشریف آوری کی خوشی سنا حضور کی خیال کرتے ہیں، یا رسول کو زندگی کا حاصل سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے بغیر ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی موت سے بدتر ہے۔ رضا بریلوی جن عید میلاد النبی کے بارے میں یوں تر زبان ہیں :-

صبح طیبہ میں ہوئی، بتا ہے بازا نور کا
صدمت لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
بار صبریں کے چاند کا بچا ہے سمجھ نور کا
بارہ بڑوں سے جھکا ایک اک ستارا نور کا

شر تک ڈالیں گے ہم پیدائش مولائی دہم
مثل فارس نجد کے قلعے گر لے جائیں گے

مثل فارس زلزلے ہوں نجد میں
ذکر آیات ولادت کیجیے

علامہ اقبال عید میلاد النبی کی تقریبات شروع ہونے کی خبر پر اپنے ایک خط میں
یوں اظہار مسرت کرتے ہیں :-

ہنوز ایں خاک دارائے شر مست
ہنوز ایں سینہ را آہ مست
تختی ریز بر چشم کہ بینی
بایں پیری مرا تاب نظر مست

اقبال کے نزدیک لا الہ الاہ کی مشکلات کی بنیاد ہے، اس کا جوہر ہے۔ اسی سے سوز و درد کا طغیانیہ ہے لیکن لا الہ الاہ کی مشکلات بے شمار ہیں۔ اسی سے جب تک سلطانِ دارین کے نور سے اپنی نگاہ کو روشن نہ کیا جائے، لا الہ الاہ کی حقیقت اور کائنات کے اسرار و رموز تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

نور تو برافروزم نگہ را
کہ بنیم اندرون مہر دم را
چو گویم مشکافم ، بلرزم
کہ دافم مشکلات لا الہ را

اسی طرح رضا بریلوی بھی قرآن و احادیث کے ارشادات کی روشنی میں حضور اکرم ﷺ کی اعلیٰ علیہ وسلم کے نور مبارک ہی کی ضیائے دو عالم کو منور پلے تے ہیں اور جانتے ہیں کہ حضور ہی کے نور سے سب کچھ ہے۔

چھینٹ تہاری سحر چھوٹ تہاوی قر
دل میں رچا دوضیا تم پہ کردوں درود
تیرے ہی ماتھے پہلے جان مہر نور کا
بخت جاگا نور کا، چمکا ستار نور کا
تو ہے سایہ نور کا، ہر عضو نکر نور کا
سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے، نہ سایہ نور کا

لک گیسو، دین ہی ابرو، آنکھیں عرص
کھلیں عرصے ان کا بچہ چہرہ نور کا

نور عین لطافت پر الطف درود
زیب و زینِ لطافت پر لاکھوں سلام

”رازِ عیدہ“

قرآن مجید فرقانِ حمید نے ہمارے آقا و مولا کو بہت خطابات سے نوازا ہے، جن میں ایک خطاب ہے ”عیدہ“ کا۔ اس سے بعض ظاہریں اور قرآن پاک کی روح سے ناواقف لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ حضور خدا کے بندے ہیں، اسی طرح جس طرح میں اور آپ بچا نچہ انہیں اپنا بڑا اچھا بھائی (نورِ ہدایت) کہہ لیتے ہیں کوئی حرج نہیں۔ علامہ اقبال نے ایسے آنکھوں کی ہدایت کے لئے ”عیدہ“ کی مفصل تعریف کی ہے۔ رنگِ مشرقی پر جب طالعِ کتاب ہے کہ :-

ہر کہیں پیدا ہے شہر رنگ و بو
خاک سے جس کی ہو پیدا آرزو
ہے وہ ممنوں مصطفیٰ کے نور کا

یاد ہے وہ جو یاسے نورِ مصطفیٰ (ترجمہ انعام اللہ خاں صاحب)
نورِ زہد رو داس سے اس جوہر کے بارے میں استفسار کرتا ہے جس کا نام مصطفیٰ ہے۔
اقبال رحمتیں احمد حنفی ”سوال بیتِ اہم اور پیچیدہ ہے اور اس گفتنی کو صرف علاج ہی کی زبان مل کر سکتی ہے“ در اقبال اور شریعت رسول، ص ۶۴۱ علامہ اقبال علاج کی زبان سے مضمون ”عیدہ“ کے بارے میں وضاحت کرتے ہیں اور آخر میں اپنے عجز و کمزوری کا اعتراف

کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر کوئی اس لفظ کو سمجھنا چاہتا ہے تو وہ "مارمیت اذومیت
وَلَكِنَّ اللَّهَ رَحِيمٌ" کے مقام کو سمجھے فرماتے ہیں :-

عبدہ از فہم تو بالا تر است

ذال کہ اود ہم آدم و ہم جو ہر است

از فہم سے وہ تیرے بالا تر بھی ہے عبدہ آدم بھی ہے، جو ہر بھی ہے،

عبد دیگر، عبدہ چیز سے دگر

ماسرپا انتظار، اود منتظر

از عبدکم تر، عبدہ عالی وقار منتظر وہ، ہم مسرپا انتظار

عبدہ دہر است و دہر از عبدہ است

ما ہر رنگیم و او بے رنگ و بوسر

(عبدہ سے دہر ہے، دہر عبدہ ہم میں ہیں سب رنگ وہ بے رنگ و بوسر)

عبدہ با استدا بے اتہاست

عبدہ را صبح و شام ماکجاست

از عبدہ آغاز بے انجام ہے عبدہ آذ او صبح و شام ہے

اور آخری اور منقطع کُن بات علامہ اقبال علیہ السلام کے منہ سے یوں ادا کرتے ہیں :-

کس ز سر عبدہ آگاہ نیست

عبدہ جز سر الا اللہ نیست

لیکن اس کے مجید سے آگاہ ہے عبدہ اک را تر الا اللہ ہے

علامہ کہتے ہیں کہ بلا التواضع اور اس کی دھار عبدہ ہے بلکہ اگر زیادہ صاف اور

واضح الفاظ میں سننا چاہو تو دونوں ایک ہیں، تلوار اور دھار میں فرق کیا ہی نہیں

جاسکتا۔

لا الّا تیخ و دم اود عبدہ

فانش تر خواہی، گو "عبدہ"

اور آخر میں علامہ کہتے ہیں کہ جب تک قرآن پاک یہ دعوات ذکر سے کر سکیں

پسینکندہ الایاتہ جو سرکار کا نام تھا، دراصل خدا تعالیٰ کا نام تھا، "عبدہ" کی بات

سمجھ میں نہیں آسکتی۔

معا پیدا نہ گرد و زیں دو بیت

تا نہ بینی از مقام "مارمیت"

رکشت معنی کر سکیں کیا ایک دو بیت دیکھ تو سوسے مقام "مارمیت"

علامہ اقبال اپنی اسی تصنیف "جاوید نامہ" میں جو زمین فلاسفر ٹیٹے کا ذکر کرتے

ہوئے انہیں کہتے ہیں کہ یہ بقیہ شخص "لاؤ کے مقام تک رسائی حاصل کر چکا ہے

کہ اَلَا اللّٰہُ تک نہیں پہنچ سکا اور مقام "عبدہ" سے بیگانہ رہا۔

اود ہ لا در ماند و تا الّا نہ رفت

از مقام "عبدہ" بیگانہ رفت

اعلیٰ حضرت رضا بریلوی جب اس پہلو سے بات کرتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کو خدا کا بندہ اور خلق کا آقا کہتے ہیں۔ وہی "ماسرپا انتظار، اود منتظر" کی کیفیت ہے۔

لیکن رضائے شتم سخن اس پر کر دیا

خالق کا بندہ، خلق کا آقا کہوں تجھے

ہو اور عبدہ کو رضائے شتم باطن اور حلوتہ ظاہر کہا ہے۔

بندہ ملنے کو قریب حضرت "تاؤر گیا

لمعہ باطن میں گئے حلوتہ ظاہر گیا

اور اس کیفیت کو انہوں نے اپنے مشہور تصدیق معراجیہ و تنبیہ شادی امری

میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

وہی ہے اول، وہی ہے آخر، وہی ہے باطن، وہی ہے ظاہر
اسی کے جلوے اسی سے ملنے، اسی سے اس کی طرف گئے تھے
کمان ابکوں کے جوڑے نظر، تم اول آغوش کے پھر میں ہو
محبت کی چال سے تو پوچھو کہ مرے آئے، کہ مر گئے تھے
علامہ اقبال تیغ و دم تیغ کے فرق اور "ناش ترغابی بگو موعبدہ" کے راز کو
ایک اُردو وقت کے مطلع میں یوں بیان کرتے ہیں :

نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردہ میم کو اٹھا کر
وہ بزم شرب میں آکے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپ کر
لیکن اعلیٰ حضرت برطوی ایسے معاملات میں اپنے جذبات کو روک لیتے ہیں اور
یوں گویا جوتے ہیں :

پیش نظر وہ زیبا، سجدے کو دل ہے بے قرار
روکے، سر کو روکے، ہاں یہی امتحان ہے

اے شوقِ دل، یہ سجدہ گر اُن کو روا نہیں
اچھا وہ سجدہ کیجیے، سر کو خبر نہ ہو

اور — ستر عید سے آگاہ ہونے کے عمل میں سر کا سجدہ نہیں مگر حضور شاہ میں
دل کا سجدہ تو یوں ہی ناگزیر ہے کہ آتائے خود ہی فرما دیا کہ من رانی فقد رانی الحق
یعنی میں نے مجھے دیکھا اُس نے خدا کو دیکھ لیا، پھر علامہ اقبال یہ اعتراف کیوں نہ کریں
کہ میری آنکھوں کو نگاہ سر کا وہی نے بخشا ہے اور میری زندگی کی رات میں چاند کی روشنی
آپ ہی کے کمر سے ہے اور پھر حضور کے محور لا اراشا کے حوالے سے اُن کے مریخِ زیبا

کی زیارت کی خواہش کیوں نہ ظاہر کی جائے۔

بچشم میں نگہ آوردہ شست
من دروغ لالہ آوردہ شست
دو چار کن پہ صبح "من رانی"
شبم راتاب مرادوردہ شست

اسی طرح رضا بریلوی "من رانی" کی نوید سنانے والے آقا کی مدح و ثناء میں
بروقت رطب اللسان کیوں نہ ہوں۔

معنی قدرائی، مقصد ما طغی
زرگسی باغِ قدرت پہ لاکھوں سلام
من رانی قدرائی الحق جو کہے
کیا بیاں اس کی حقیقت کیجیے
کھلے کیا راز مجھ کو محبِ مستانِ خلعت پر
شرابِ قدرائی الحق لیبِ جامِ من رانی ہے

حدا و نبی

خداوند تبارک و تعالیٰ جل شانہ اور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر مبارک
میں اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کا موقف یہ ہے کہ سر کا دے
ہیں اللہ کی راہ دکھا دی ہے، اس پر ایمان لانے کی ہدایت فرمائی ہے، اُسے خالق،
مالک، رازق، قادر مطلق بتایا ہے، اس کی حمد کرنے کی ترغیب دی ہے — ہمیں

حضرت کے احکام پر عمل کرنا ہے اور بس۔ مگر علامہ اقبال عظیم مصطفیٰ میں افضل الاخلاق بعد الانبیاء حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے منقلد ہیں اور وہ جب رضی نبوت کی زبان سے یہ نعرہ جی سنتے ہیں تو اس کو خیر جاں نہایتے ہیں کہ:

پردہ نے کہ چہراغ تو ٹیبل کو پھول بس

صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

وہ جانفشیں سرکار و عالم کی حیات پر دل و جان سے خدا ہیں، جنہوں نے خدا سے کہہ دیا کہ مجھے مصطفیٰ کی، سستی کافی ہے اور نظام ہے کہ جس کے لئے سرکار کافی ہوں، نہ وہ گمراہ ہو سکتا ہے، نہ احکام خدا و رسول سے سرتابی کی جرأت کر سکتا ہے۔

بگڑے تو گداؤ یک نوا بس

مرا میں ابتدا، میں انتہا بس

خدا پر جرات آں رند پاکم

خدا را گفت "مارا مصطفیٰ بس"

سجادید نامہ میں وہ "محکمات عالم قرآنی" کی ذیل میں کہتے ہیں کہ خدا کا انکار ممکن ہے مگر شان نبی کے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

ی تو انی ہنگر یزداں شدن

نکر از شان نبی متواں شدن

اور اس کا باعث شاید یہ ہے کہ

با خدا در پردہ گوئم یا تو گوئم آشکار

یا در منزل افتاد! اور پہچان و توبہ داسے من

اس معاملے میں حضرت علامہ اقبال حضرت صدیق اکبر کے موقف پر عامل ہیں اور بعض بزرگوار دین کے اس موقف سے ہم آہنگ ہو کر کہ "مخددا را از ان می

پر عقیم کہ رب خداست" فرماتے ہیں:-

تو مسند مودی، رہ بھلا گر فقیم

وگر نہ حبز تو مارا منزلی نیست

وہ اپنی آسودہ جاتی کے لئے رہی "شر" مانگتے ہیں، جس نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے کاشانہ دل کو تجلیات کا سکن بنا دیا تھا۔

از ان فقیرے کہ با صدیق دادی

بشورے آور این آسودہ جاں را

علامہ اقبال شدت سے اس حقیقت کے متیق ہیں کہ خدا ایک براہ راست سانی ایک باطل نگریت ہے۔ اور جب تک اس کے محبوب پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت اور توسل کی سرپرستی نہ ہو، انسان اپنے خانی و مالک کو پہچان ہی نہیں سکتا۔ اس پر پہنچنا تو دور گزار۔ وہ اپنی منزلی مقصود مدینہ پاک کو قرار دیتے ہیں، سرکار کے در تک رسائی ہی کو دین کو سمجھتے ہیں اور اس حقیقت کا، اعلیٰ حضرت کی شدت سے پرچار کرتے ہیں کہ اپنے اُفتاد مولا کے در تک پہنچنے کی خواہش سے محرومی الگو لہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا کی وعدہ امت کا اقرار بہت بڑی خوشنویسی ہے مگر یہ دولت سرکاری کے دم قدم سے بھی نصیب ہوئی ہے۔ ان کے بغیر ہم اس سے سیرہ و دہو ہی نہیں سکتے تھے۔

پروفیسر ویسٹ سلیم چشتی کہتے ہیں کہ "ایک بار حضرت اقبال نے راقم الحروف سے فرمایا کہ عقل انسانی انسان کو خدا تک پہنچانے کے بجائے خدا سے دور کرتی

ہے سرکارِ دو عالم کا ہم پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپ کے یہ فرمانے سے کہ
خدا ہے، ہم نے خدا کا اعتراف کر لیا اور نہ ہم سادہی زندگی خدا پر ایمان لایا ہم نہیں
سکتے تھے (اقبال اور عشق رسول - بصیر کراچی عید میلاد النبی ایڈیشن ۱۹۷۲ء، ص ۶۹)
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا ارتکاب کرنے والے ایک کافر کو غازی عالم الدین
شہید نے موت کے گھاٹ اتار دیا اس جلسے میں ۸ جولائی ۱۹۲۰ء کو برکت علی اسلامیہ ہال
میں ہونے والے ایک جلسے میں تقریر کرتے ہوئے علامہ نے فرمایا کہ "جو مسلمان عملاً توحید
پر جمع نہ ہو سکے، وہ نبوت پر متفق ہو گئے، یہی بات آپ نے ۱۰ جولائی کی اپنی شاہی
مسجد کی تقریر میں بھی کہی (گفتار اقبال - ص ۳۹، ۴۰) علامہ اقبال کے عشق رسول کے
اس پہلو کا کمال یہ ہے کہ وہ خالق کائنات سے التجا کرتے ہیں کہ اگر روزِ حشر میرا
حساب کتاب بہت ہی ضروری ہو اور مجھے کسی طرح معاف نہ کیا جاسکتا ہو تو میری
فرد عمل سرکارِ دو عالم کی نگاہ سے پوشیدہ رکھی جائے یعنی اگر کوئی صورت نہ ہو تو خدا ضرور
عمل دیکھ لے اور جو چاہے سزا بھی دے دے مگر حضور کے سامنے ندامت کا موقع
نہ آتے۔

ترغنی از ہر دو عالم، من تقیر
روزِ حشر عذر ہائے من پذیر
ور اگر بینی حسابم ناگزیر
از نگاہ مصطفیٰ پنهان بگیر

معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

یہ فیضینٹ کرنل خواجہ عبدالرشید اپنے مضمون "علامہ اقبال کا تصورِ انسانِ کامل"
میں کہتے ہیں:-

"اقبال نے اپنے لکچروں میں ایک شعر نقل کیا ہے
موسمی زہوش زفت بیک جلوتہ صفات
تو عین ذات می نگری در تعبسی

اس شعر میں "صفات" اور "ذات" کے الفاظ غور طلب ہیں۔ یہ کیا مقام تھا کہ اللہ تعالیٰ
نے خود حضور سرور کو عین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ "آ میرے محبوب! میں تجھ کو
اپنا آپ دکھاؤں۔۔۔ چہاں رسول کریم کو دیگر انبیا پر بہت سی فضیلتیں ہیں، وہاں یہ دو
سب سے اہم ہیں (۱) خالقیت (۲) معراج"

(بصیر کراچی - عید میلاد النبی ایڈیشن مئی ۱۹۷۲ء، ص ۳۹)
اقبال معراج النبی کے واقعے کا اکثر و بیشتر ذکر کرتے ہیں اور اس سے امتد لال کرتے ہیں کہ
سب سے پہلے یہ محسوس ہوا کہ مصطفیٰ سے مجھے
کو حکمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں
اس شعر سے ایک بات یہ بھی واضح ہوتی ہے کہ علامہ معراجِ جہانی کے قائل تھے۔ اس
رات سرور کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے برگزیدہ برتر کی مرضی سے انلاک اور کائنات کی
جزئیات کا اور قدرت کے سرچشمہ رازوں کا اور خود ذاتِ حق کا گنجیم خود مشاہدہ کیا۔

علامہ اقبال حقیقت معراج پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:-
مرد مومن در ناز و با صفات
مصطفیٰ راضی نہ شد الا بذات
چیست معراج؟ آرزوئے شاہدے
استحلفے دو بروئے شاہدے

بقول ڈاکٹر سید عبداللہ "علامہ معراج مصطفیٰ کو عام صعود روحانی یا نفسی سے مختلف،
مشفوعہ، بلند تر اور خاص الخاص تجربہ یاد آ رہے تھے ہیں" (دکتر و نظر - اسلام آباد - سیرت نمبر

۱۹۷۶ء م۔ م۔ ۱۹۷۶

ڈاکٹر سید عبداللہ نے اپنے حوالہ بالا مضمون "اقبال اور معراج النبی" کے آخر میں انکارِ اقبال کا خلاصہ یوں بیان کیا ہے۔ "معراج سے مسلمانوں کے ایمان بالرسالت میں گہرائی پیدا ہوئی اور حضور کی اکملیت اور اشرافیت کا یقین محکم ہوا۔ چنانچہ بعض دوسرے انبیاء کے آسمانی سفر ایک خاص مقام تک پہنچ سکے اور ان حضرات کا سفر نبوت کے راستے کی آخری منزل قرار پایا۔ اس سے یقین میں گہرائی پیدا ہوئی اور خدا کی ہستی کی محسوس شہادت میں ستر آئی (ص ۷۰۲)"

علامہ نے اپنے لکچروں میں "صفات و ذات" کی روشنی میں مصطفیٰ پر کرم فرمائیں گے کے متعلق پوچھ کر نقل کیا ہے وہی تعالیٰ جب مجددِ دین و ملت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کرتے ہیں تو یہ صورت بنتی ہے :

تبارک اللہ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بلندی
کہیں تو وہ جوشِ لہن ترانی کہیں نقائے صال کے تھے
وہ عزتِ باری ذاتی ذاب میں یہانی ہے
وہ لطفِ اذنِ یا احمد نصیبِ لہن ترانی ہے

سب کی ہے تم تک رسائی
بارگاہِ تک تم رسا ہو

اعلیٰ حضرت رضا بریلوی بارگاہِ خداوندی میں محبوبِ خدا کی بارگاہی کا ذکر اپنے کلام میں بار بار کرتے ہیں اور سرکاری دفترِ شان کی رطب اللسانی میں نہیں ٹھکتے۔

زہے عزت و اعلائے محمد
کہ ہے عرشِ حقِ زیرِ پاسے محمد

پوچھے کیا ہر عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کہ یوں
کیجئے کہ پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

جس کو شایاں ہے عرشِ خدا پر جلوس
ہے وہ سلطانِ دالہ ہمارا نبی

اس ضمن میں انبیاء کے سابقہ کے ذکر میں افضل الرسل نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مرتبت کا حوالہ ہر حال جگہ جگہ ناگزیر ہے

بہ حجابِ چرخ و میح پڑ نہ کلیمِ دہر نہاں مگر
ہو گیا ہے عرش سے بھی اچھوڑا عرب کا نذر سوار ہے

ختم نبوت

آتے رہے انبیاء کا ختم لکھتے
وَالْحَاقَّةُ خُتْمُكَ كَمْ خَاتَمِ ہوئے تم
یعنی ہوا دفترِ تنسیخِ تمام

آخر میں ہوتی مہر کہ اتمتُ تکمُلُ (دعنا)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور کی رسالت پر دین کو مکمل فرما دیا اور اعلان کر دیا کہ حضور خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد علیٰ ابوہریرہ کی کسی قسم کا نبی نہیں آ سکتا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرما دیا کہ میں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اس موضوع پر احادیثِ شریعہ سے مرتب صورت میں کئی مقامات پر بحث کیا ہے۔

دیکھی گل کے جوشِ سخن نے گلشن میں جا باقی
چلکا پھر کہیں اں غنچہ کوئی باغِ رسالت کا

بچہ گئیں جس کے آگے بھی مشعلیں

شیخ وہ لے کے آیا ہمارا بنی

حضور اکرم سب سے پہلے بنی ہیں اور سب سے آخری رسول ہیں ۱۰ اس سید

کی طرف رضا بریلوی ہیں اشارہ کرتے ہیں۔

فتح بابِ نبوت پر سب حد درود

غتم دور رسالت پر لاکھوں سلام

اعلیٰ حضرت کی طرح علامہ اقبال (رحمۃ اللہ علیہ) بھی کئی دوسرے مقامات کی طرف
"اسرار و رموز" میں حضور کی حدیث پاک کو اس طرح پیش کرتے ہیں۔

لا نبی بعدی ز احباب خداست

پردہ ناموس دین مصطفیٰ است

قوم را سرمایہ قوت از د

حفظ سر وحدت ملت از د

حق تعالیٰ نقش ہر دعویٰ شکست

تا ابد اسلام را شیرازہ بست

پھر فرماتے ہیں۔

پس خدا برا شریعت ختم کرد

بر رسول ما رسالت ختم کرد

علامہ غتم نبوت کے عقیدے کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں۔

"اسلام کی اجتماعی اور سیاسی تنظیم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی ایسے الہام کا

امکان ہی نہیں جس سے انکار کفر کو مستلزم ہو جو شخص ایسے الہام کا دعویٰ کرتا ہے وہ

اسلام سے فطاری کرتا ہے و تاہم با نیت اور اسلام بحراب نہ ہو۔ بحوالہ فیضانِ اقبال

اور شورش کاشمیری۔ ص ۲۲۳

تبدیلِ نذر نیازی کے نام خط میں انہوں نے لکھا:

"غتم نبوت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص بعد اسلام اگر یہ دعویٰ کرے کہ مجھ میں ہر دو

اجزا نبوت کے موجود ہیں یعنی یہ کہ مجھے الہام وغیرہ ہوتا ہے اور میری جماعت میں داخل

ہوئے نہ وہ ان کا فرض ہے تو وہ شخص کاذب ہے اور واجب القتل۔ میلہ کذاب کو اسی بنا پر

قتل کیا گیا تھا و (انوار اقبال مرتبہ بشیر احمد ڈار۔ ص ۲۵-۲۶)

اور اعلیٰ حضرت رضا بریلوی کے بارے میں پہلے عرض کیا چکا ہے کہ انہوں نے مرزا

غلام احمد قادیانی کے خلاف اسی بنا پر کفر کا فتویٰ دیا تھا۔

حیات النبی (صلی اللہ علیہ وسلم)

حضور پرورد صلی اللہ علیہ وسلم جو تخلیق کائنات میں حضور ہی کی وجہ سے ہمیں خداوند کریم

نے یہ فوید سنا رکھی ہے کہ جب تک وہ ہم میں ہیں، ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ خالق

کائنات نے جہیں حکم دیا ہے کہ جب ہم میں سے کوئی اپنی جان پر ظلم کرے، اس سے کوئی

گناہ سرزد ہو جائے وہ سرکار کے حضور میں اپنے آپ کو حاضر پا کر خدا سے معافی چاہے تو

اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ پھر سرکار کو عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے تو یہ کیسے ہو

سکتا ہے کہ عالمین ہوں اور رحمت باقی نہ رہے۔ چنانچہ اسلام کے ماننے والوں کا یہ عقیدہ ہے کہ

حضور حیات میں اور ان کی رحمت ہم پر سایہ نگیں ہے۔ رضا بریلوی اس نکتے کو ان الفاظ میں

بیان کرتے ہیں۔

تو زندہ ہے دائرہ، تو زندہ ہے دائرہ

مری جنتیم عالم سے چھپ جانے والے

اور حکیم الامت شاعر مشرق نیاز الدین خاں کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:-

”میرا عقیدہ ہے کہ نبی کریم زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی اسی طرح متغیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہ کرام ہو کر تھے؟“ رفیقان اقبال مرتبہ شورش کاشمیری۔ ص ۷۸۷

حاضر و ناظر

افتدرب العزت جل جلالہ نے اپنے محبوب پاک کو شاہد و مہر و نذرین بنا کر بھیجا۔ اس نے مسلمانوں سے کہا کہ یہ رسول تم پر بھیج دیا، اس نے محبوب کو کہا کہ میں قیامت کے دن سب پر آپ کو شہید بناؤں گا حضرت ملا علی قاری مولیٰ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور خاندان ذوق البیان، مدارک اور ابن کثیر کے تمام مفسرین شاہد اور شہید کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ نے اپنے محبوب کو تمام اشیاء پر اطلاع دی ہے اور آپ ہی کی گواہی سے سب کے فیصلے ہوں گے اور وہ گواہی کیسے قابل قبول ہو سکتی ہے، جہاں گواہ ”پیشم دید“ نہ ہو۔ چنانچہ دعا بریلوی کہتے ہیں :-

بروزش پر ہے تری گرد دل فرخ پر ہے تری نظر
ملکوت ملک میں کوئی نہ، نہیں رہ جو تجھ پر عیاں نہیں

اسی لئے ان کا ایمان ہے کہ سرکار ہر شخص کے مال سے واقف ہیں اور جو انسان فریاد کرتا ہے خیر البشر علی اللہ علیہ وسلم اس سے باخبر ہوتے ہیں، ہر امتی کے حالات سے آگاہ ہیں اور بوقت ضرورت اس کا مدد کرتے ہیں۔

فساد امتی جو کسے حال دار ہیں
ملک نہیں کو خیر بشر کو خبر نہ ہو

لہذا اقبال بھی اس نقطہ نظر کے قائل ہیں کہ جب سہ ماہی خداوند تعالیٰ نے رحمتہ للعالمین بنا دی ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایمان میں کسی کو رحمت کی ضرورت ہو اور

سرکار باخبر نہ ہوں۔ اسی لئے یہ لازمی ہے کہ جہاں ہنگامہ عالم ہوگا وہاں حضور رحمتہ للعالمین حاضر و معبود ہوں گے۔ علامہ نے اسی دلیل کے طور پر یہ شعر نقل کیا ہے۔

ہر کجا ہنگامہ عالم بود
رحمتہ للعالمین ہستم بود

”عبادید نامہ“ میں علامہ نے رحمتہ للعالمین کے انتہائی حقائق و اسرار و اسرار کو دیکھ کر کہا ہے :- غالب یہاں تک تو پہنچتا ہے کہ خلق و تقدیر و ہدایت کو ابتدا اور رحمتہ للعالمین کو انتہا کہتا ہے مگر پھر بھی اس رمز کی صحیح حقیقت کو داکھ کرنے سے عاجز آجاتا ہے۔ آخر منصور حلاج اور رازے اس طرح پردہ اٹھاتا ہے کہ جہاں رنگ و بو میں ہر چیز باذکر مصطفیٰ کی منہل ہے یا نہ منہل ہے میں ہے۔ اور بس!

اعلیٰ حضرت بریلوی ”رحمتہ للعالمین“ کی شرح دیں کرتے ہیں :-
نعتیں باشتا جن ست وہ ذی شان گیا
ساتھ ہی منشی رحمت کا قلمدان گیا

علم غیب

خداوند کریم نے فرمایا: عَلِمْتَ مَا لَكَ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (محبوب! جو تم نہ جانتے تھے، ہم نے تم کو سکھادیا اور تم پر خدا کا بڑا فضل ہے) امام احمد، ابن سعد، بزار، حاکم، بیہقی، ابونعیم۔۔۔ یہ تمام جلیل القدر محدثین حضرت ابوسعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بھیڑیا چوہے کی بکری لے گیا۔ اس نے بکری چھڑائی تو بھیڑیہ نے کہا کہ افسوس مجھے رزق دیا اور تو نے مجھ سے چھین لیا۔ چوہہ اس کے بولنے پر تعجب کیا تو بھیڑیہ نے کہا کہ عجیب بات تو یہ ہے کہ ان دو پہاڑیوں کے درمیان ایک رسول پیدا ہوئے ہیں، جو زمانہ آئندہ دگر مشہ کی خبریں سناتے ہیں۔ (اجابہ الصغائر از محمد جعفر رضوی)

ص ۴۰) یعنی حضرت سرفہر کہ علم غیب رکھتے ہیں بلکہ لوگوں کو غیب بتاتے ہیں۔ وما هو علی الغیب یعنی ان (قرآن) (ربنا) غیب بتاتے ہیں بخیل نہیں) اعلیٰ حضرت بریلوی نے المشرط میں اور خالص الاعتقاد میں واضح کر دیا ہے کہ خدا ہی اور خیر متناہی علم کو آپس میں کوئی نسبت نہیں۔ علم ذاتی اللہ عزوجل سے خاص ہے اس کے غیر کے لئے مجال ہے جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کتر، غیر خدا کے لئے مانے وہ یقیناً کافر و مشکوک ہے اور خالص الاعتقاد ص ۱۳۸) اگر کہتے ہیں "اللہ عزوجل کی عطائے حبیب اگر علم اللہ عزوجل کو اس کے غیبوں کا علم ہے جن کا شمار اللہ ہی جانتا ہے (ص ۲۵) یعنی

خدا نے کیا تجھ کو آگاہ سب سے
دو عالم میں جو کچھ خفی و جلی ہے

پھر کہتے ہیں کہ جب حضور سے خدا ہی نہ چھپا تو اور کیا چیز اس سے مخفی رہ سکتی ہے۔ اور کوئی غیب کیا تم سے نہیں ہو بھلا جب نہ خدا ہی چھپا، تم پر کروڑوں درود علامہ اقبال بھی اسی نکتے پر زور دیتے ہیں کہ سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ آقا نے "ذات خدا" کو بے پردہ دیکھا تو اور کیا چیز ہو سکتی ہے جس کا انہیں علم نہ ہو مگر یہ سرکار کا انداز خاص ہے کہ پھر بھی خدا سے "ذات خفی" علما کی دعا کرتے ہیں۔

گرچہ عین ذات را بے پردہ دید
رب زونی از زبان او چکید

اقبال اپنے آقا مولا کے اس خاص انداز پر خدا نہیں اور اس کا نام طور سے ذکر کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ عالم آتاکے حضور جہاں تک کہ آپ کو "عبود" قرار دیتے ہیں۔

پیش او گیتی جہیں منہ رود است
خویش را خود عبود منہ رود است

اعلیٰ حضرت نے اسی حقیقت کو دوسرے الفاظ میں بیان کیا ہے کہ قرآن پاک میں ہر چیز کا بیان ہے اور یہ کتاب سرکار پر نازل ہوئی، پھر انہیں ہر چیز کی خبر کیوں نہ ہو۔ ان پر کتاب اتری بیانا تکمل شئی تفصیل جس میں ماعین و ماغیر کی ہے اسی نے وہ آقا کے حضور عرض دعا کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

عالم علم دو عالم ہیں حضور
آپ سے کیا عرض حاجت کیجیے

سرکار کی قدرت

تبدیل و نیازی کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک صاحب نے علامہ اقبال کے سامنے بڑے اچھے کے ساتھ اس حدیث کا ذکر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب ثلاثہ کے ساتھ احد پر شریعت رکھتے تھے۔ اسے میں اُحد نے اسے لگا اور حضور نے فرمایا "مظہر ما تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہیدوں کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اس پر پہاڑ سا گن ہو گیا" علامہ اقبال نے حدیث سننے ہی کہا "اس میں اچھے کی کل ہی بات ہے؟ میں اس کو متعارف و مجاز نہیں، بالکل ایک ماوی حقیقت سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک اس کے لئے کسی تامل کی حاجت نہیں، اگر تم خاتمت سے آگاہ ہوتے تو تمہیں معلوم ہوتا کہ ایک نبی کے نیچے ماوے کے بڑے سے بڑے تو دوسرے بھی کہہ ڈالتے ہیں۔ مجازی طور پر نہیں، واقعی رزائے ہیں؟

واقبال کامل ص ۶۴ اور جوہر اقبال ص ۳۸)

علامہ اقبال کی طرح حضرت رضا بھی سرکار کی قدرت کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کا انشور ذکر کرتے ہیں۔

ہے کردہ اشارہ ابرو کے تابع نہ ہوں۔

ارض و سما میں زیر نگین ، کیا آفتاب
مرصی جو ان کی دیکھی ٹوٹ آیا آفتاب

اقبال اسی بات کو دوسرے انداز میں بیان کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب خدا نے
عہد کے فعل کو اپنا فعل کہا، ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت گردانا اور ان کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ
قرار دے دیا تو ان کی انگلی کے اشارے سے چاند کے شق نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

دخبتہ او پنجبتہ شق می شود
ماہ از اششت او شق می شود

ڈاکٹر سید عبداللہ اپنے ایک مضمون ”اقبال اور معراج النبی“ میں ”ضرب کلیم“ اقبال
کی نظم ”معراج“ کے حوالے سے سرکار کی قدرت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں :

”سوچنے کی بات ہے کہ جب علامہ عام مرد مرثیہ کی اس قدرت کو تسلیم کر رہے ہیں کہ
دولہ شرق پیدا کر کے وہ مرد مہر کی تیز کر سکتے ہیں اور بایں جہد عنصری کر سکتے ہیں، تو
ناظم البیتین اور افضل المرسلین کے بارے میں وہ کیونکر سوچ سکتے ہیں کہ ایک عام مومن
ترشش چہاں کو عبور کر کے افلاک کی سفیر یاں جہد عنصری کر سکتا ہے لیکن حضور جہد عنصری
نہیں کر سکتے“ (نگار و نظر سیرت نمبر ۷، فروری ۱۹۹۸ء)

سرکارِ دو عالم کی قدرت کی کیا بات ہے۔ رضا بریلوی کہتے ہیں کہ
دیکھیں جہاں بخشی لب کو تو کہیں حضور دیکھ
کیوں سرے کوئی، اگر ایسی سیاحتی ہو

ان کا خیال ہے کہ مڑے زندہ کرنا انہیں کیا دشوار ہے خب کہ وقتِ خیر ان کے
لب زلال چشمہ کن میں گودھے گئے تھے۔

ایک ٹھوکہ میں اُحد کا زلزلہ جاتا رہا
دکھتی ہیں کتا، دقار، اللہ اکبر اٹھیاں

اسی نکت میں پنچر حضور کے نشانِ قدم کے تدار سے اس پتھر کی خوش بختی پر شک
کرتے ہیں۔

ہائے اس پتھر سے اس سینہ کی قسمت چوڑی ہے
تے تکلف جس کے دل میں یوں کریں گھر اڑیاں
ایک اور نکت کے مطلع میں بھی مضمون یوں ہے۔

نہ میرے دل میں، بیکر میں نہ دیدہ تر میں
کرم کر سے رہ نشانِ قدم تو پتھر میں

حضورِ یارِ حق عالمِ علی اللہ علیہ وسلم کی قدرت کے کرشمے میں کردہ چاہیں تو سورج پلٹ آئے،
اشارہ کر دیں تو پیا نندہ ٹھکڑے ہو جائے۔ اٹھا حضرت علیہ الصلوٰۃ نے سرکار کے ان دونوں مجرول
کا ذکر اپنے کئی شعر اپنی کیا کیا ہے۔

ماہ شق گشتہ کی صورت دیکھو کانپ کر ہر کی وجہ دیکھو
مستطیلے پیار سے کی قدرت دیکھو دیکھو اعجاز ہوا کرتے ہیں

چاند اشارے کا ہلا، حکم کا ہاتھ صابو
واہ کیا بات ، شہا! تیری توانائی کی
تیری مرصی پا گیا، سورج بھرا اٹھے قدم
تیری انگلی اٹھ گئی، مہ کا کلیجہ چر گیا
صاحبِ رجعت شمس، شق اقمس
نائبِ دستِ قدرت و تاکوں سلام

اور کہتے ہیں کہ جب ارض و سما ان کے زیرِ نگین ہیں تو شمس و قمر کی حقیقت ہی کیا

سب زلال چتر کن میں گندھے وقت خیر

مڑے زندہ کرنا لے جاں تم کو کیا دشوار ہے

علامہ بصیری رحمۃ اللہ علیہ حذام میں مبتلا تھے۔ انہوں نے سرکار کو خواب میں نصیہ پیش کیا۔ آقا نے اپنی روایت پاک عنایت فرمائی وہ تندرست ہو گئے علامہ اقبال بید سلیمان ندوی کے نام اپنے ایک خط میں سرکار کے اس کرم کا تذکرہ کرتے ہیں مطلب یہ کہ آقا کی قدرت کا دائرہ کار کل تک ہی نہیں تھا، آج بھی ہے اور کل بھی ہوگا۔ اقبال کہتے ہیں:

”اسے بصیری را در آنجندم۔۔۔۔۔“

بصیری کے متعلق بھی یہی واقعہ مشہور ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ حضور نے بصیری کو جو حذام میں مبتلا تھا، اپنی چادر مطہرہ خواب میں علامہ فرمائی تھی جس کے اثر سے اس نے حذام سے نجات پائی۔ بعض لوگوں میں قصیدہ بصیری قصیدہ برودہ کے نام سے مشہور ہے۔

راقبال نامہ حصہ اول۔ ص ۹۴

علامہ سلیمان ندوی کے نام ۲۰ نومبر ۱۹۱۷ء کے ایک خط میں بھی اقبال اس روایت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ”مولوی ذوالفقار علی دیوبندی نے شرح قصیدہ برودہ میں منجملہ روایات کے یہ روایت بھی لکھی ہے (ص ۸۸) اقبال نے ان الفاظ سے واپسی پر قدس حار میں حضور کے خرقہ مبارک کی زیارت کے بعد یہ اشعار کہے جو ان کے عشق کا پتا دیتے ہیں:

و قصد اندر سینہ از زور جنوں

تازہ راہ دیدہ می آید بروں

آمد از چہاں او بُرے او

داد ما را نعرۃ اللہ ہو

بکسے محبوب سے سرشار عاشق مصطفیٰ اقبال کا اس حقیقت پر ایمان ہے کہ آفاقی

نگاہ کرم ہو تو انسان ہر مرض سے شایاب ہو جائے۔ پروفیسر صلاح الدین محمد الیاس برنی

کے نام ۱۲ جون ۱۹۳۹ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں:

”۲۰ اپریل کی رات ۳ بجے کے قریب (میں اس شب بھر پال میں تھا) میں نے سر تید کو خواب میں دیکھا۔ پوچھتے ہیں، تم کب سے بیمار ہو، میں نے عرض کیا، دو سال سے اور مدت گزر گئی، فرمایا، حضور رسالت مآب کی خدمت میں عرض کرو، میری آٹھ اسی وقت کھل گئی اور اس عرضداشت کے چند شعر جواب ملے جو گئی ہے میری زبان پر جاری ہو گئے۔ انشاء اللہ ایک مثنوی ناری پس چو باد کو دے اقوام شرق نام کے ساتھ یہ عرضداشت شائع ہوگی۔ ۴۔ اپریل کی صبح سے میری آواز میں کچھ تبدیلی شروع ہوئی۔ اب پہلے کی نسبت آواز صاف تر ہے اور اس میں وہ رنگ عموماً رہے جو انسانی آواز کا خاصہ ہے۔“ (اقبال نامہ حصہ اول۔ ص ۴۱۴)

پھر رخسار بر لوی کیوں نہ کہیں کہ

تم ہر شغلے مرغن، خلق خدا خود غرض

خلق کی حاجت ہی کیا تم پر کروں درود

اور

حبیب اللہ من تعریہ حفظا

فکل کریمہ عند بعید

رحم شخص کی حفاظت کے لئے اللہ کے حبیب اس کے نزدیک

ہوں تو اس سے ہر مصیبت دور ہے اور وہ عافیت میں ہے

علامہ اقبال نیکوین کا اجر سرکار و دنیاں سے چاہتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ حضور

ہی یہ اجر دے سکتے ہیں۔ یہ نظام جھیک یرنگ کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں: جس

ہوائی سے آپ نے تبلیغ کا کام کیا ہے، اس کا اجر حضور سرور کائنات ہی دے سکتے

ہیں۔ میں انشاء اللہ جہاں جہاں موقع ہوگا آپ کے ایجنٹ کے طور پر کہنے سننے کو حاضر ہوں۔

مگر آپ اور مولوی عبدالماجد ہدایتی جزئی ہندوستان کے دورے کے لیے تیار رہیں۔
(اقبال نامہ حصہ اول ص ۲۱۰)

اقبال در رضا کو یقین ہے کہ مصائب و آلام سے سرکاری نجات دلائیں گے اور یہی چارہ سازی فرما سکتے ہیں۔ اقبال کہتے ہیں:-

تو اسے مولا نے شربِ آبِ میری چارہ سازی کر

ہری دانش ہے افروغی، مرا ایمان ہے زاری

اور احمد و قایل فریاد کرتے ہیں:-

شہا، بکس نوازی کن، طیبیا چارہ سازی کن

مصلحتِ دردِ عصیانم اغثنی یا رسول اللہ

رضا بریلوی نے احادیث کی سند سے حضور سے امتحانت کرنے سے مدد لینے اور حاجت پوری فرمانے کی استدعا کرنے کے حق میں فتویٰ دیا ہے۔ احکام شریعت حصہ اول ص ۱۶۹ اقبال اس پر یوں عمل کرتے ہیں کہ انہیں جب کوئی حاجت مجبور کرتی ہے اور وہ کرم کے طالب ہوتے ہیں تو ان کی نگاہ حسنِ انسانیت کی جانب اٹھتی ہے۔

کرم لے شرعِ عرب، و عجم کہ کھڑے ہیں منتظر کرم

وہ گداگر تو نے عطا کیا ہے نہیں داری سکندری

حاجت انفرادی ہو یا اجتماعی، وادرس آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں:

خلق کے داد دیں، سب کے خسر یا ورس

کہنہ روزِ مصیبت پر، لاکھوں سلام (رضا)

کرم اپنے کرم کا حد و قیاس بے قدر کو نہ شرما

تو اندر قہار سے حساب لینا، رضا کی کوئی حساب میں ہے (رضا)

لوگیت سراپا شیش بازی ست

ازو امین نہ ردی نے مجازی ست

حضور تو غم یاراں بگویم

بامید سے کہ دقتِ دنوازی ست (اقبال)

ہاں راز سے کہ گفتیم ہے بہرند

ز شاہِ نخل من خرمیا نہ خوردند

من اسے میرا اُمم! داوا از تو خاہم

مرا یاراں غم نہ خزانے شردند (اقبال)

رضا بریلوی نے حضور کی عطا و رحمت کے حصول کے لیے کئی انداز اختیار کیے ہیں اور ان گل ہائے رنگا رنگ میں اقبال نے کرم اور تمنا کے لطف کے بڑے خوبصورت پہلو ہیں۔

سُکھے دھانوں پر ہوائے جی کرم پر جاتے

چھائے رحمت کی گٹھائیں کے تھامے گیسو

مانا کہ سخت حرمِ دہکارہ ہے رضا

یترا ہی تو ہے بندہ درگاہ، لے خبر

چو حاکم سے چپا کرتے دین، یوں ہی کے خلاف

تسیرِ دامن میں چھپے چو، اولا کھا یترا

آگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیسے مجرم کر

نڈیاں پنجابِ رحمت کی ہیں جاری راہ وا

یہی حالِ اقبال کا ہے کہ وہ آقا کو اپنے خیالوں کا محرر اور امیدیں کا مرکز مانتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ میرے سینے میں آپ کے سرا کوئی موجود نہیں ہے تو آپ کے سوا اپنا افسانہ غم کس کو

سناؤں، کس کو داد و نسیں مانوں۔

۸۶
ردن مابجز خود نفس نیست

بجز دست تو مادر دستری نیست

دگر انفس از غم باکد گویم

کہ اندر میدان اختیار تو کس نیست

وہ دنیا و آخرت میں حضور ہی کو ملنا و ملا سکتے ہیں۔

روزِ محشر اعتبارِ ماست او

در جہاں ہم پردہ دارِ ماست او

اور اپنی ہر صلاحیت کو نبی اکرم رسول معظم علیہ السلام کا فیضان خیال کرتے ہیں۔

پیکرم را آفرید آئینہ اش

صبح من از آفتابِ سینہ اش

علامہ رضا بریلوی بھی بات یوں کہتے ہیں

دشکِ قمر ہوں ، رنگِ دُرُغِ آفتاب ہوں

ذرا ترا جواسے شرِ گردِ جناب ہوں

شیخِ روزِ شمار

گنہگاروں کو ہاتھ سے نوید بخش آئی ہے

مبارک ہو، شفاعت کے لئے احمد ساد الیہ (رضاً)

حضور پر نور شافع یوم النشور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کرم سے دنیا میں بھی پہنچے سے گزرتی

ہے اور ان کی شفاعت کے سبب قیامت کو بھی غاصی ہوگی۔ اگر حشر کے دن ابر شفاعت گہر باری

نہیں کرے گا تو ہماری خشیش کی امید کیسے ہو سکتی ہے۔

۸۷
حشر میں ابر شفاعت کا گہر بار آیا

دیکھ اے منہ عمل تیرا خیر دار آیا (اقبال)

اقبال کہتے ہیں کہ جب عامی و مذہب انہما پر ندامت کرے گا تو شفاعت خود بخود کر اس کے آئندہ پوچھ دے گی۔

میں شفاعت نے قیامت میں بلا نہیں کیا کیا

عرقِ شرم میں ڈوبا جو گنہگار آیا

اور رخصت شفاعت کی ذوق افزائی کے حوالے سے اتفاق کے ذوقِ طلب کا نغمہ چھیڑتے ہیں۔

کیا ہی ذوقِ اشتیاق ہے تہا ری واہ وا

قرض لیتی ہے گنشہ پر ہیز گاری واہ وا

انہیں حضور کی شفاعت پر اتنا یقین ہے اور وہ اس پر یوں مفتخر ہیں کہ بار بار اس کا اظہار کرتے ہیں :

زادہ آن کا میں گنہگار ، وہ میرے شافع

اتنی نسبت مجھے کیا کم ہے ، تو بھجا کیا ہے

شفاعت کرے حشر میں جو رضا کی

سرا تیسرے کس کو یہ قدرت ملی ہے

محرم ہوں ، اپنے عفو کا سداں کر دل شہا

یعنی شیخِ روزِ جزا کا کہلا تجھے

اللہ کریم نے فرمایا تھا، قل یعبادی الذین اسرنا علی انفسہم لا تقطعوا من رحمۃ اللہ لینی جو

حضور کے بندے ہیں، اگر وہ اپنی جان پر ظلم کر بیٹھیں تو اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہوں۔۔۔

رضا بریلوی حضور کا بندہ ہونے کے ناتے ان سے شفاعت کے طلب گار ہیں۔

خداوند قادر ہے غضب پر لگائے ہیں بیکاریوں کے دفتر
بچاؤ کر شفیع محشر اہل عذاب میں ہے

اور

پیر حشر نے اک آگ لگا رکھی ہے
تیسرے دھوپ ملے ساتھ داماں ہم کو
نکسے شکا کی خاموشی شفاعت خواہ ہے اس کی
زبان بے زبانی ترجمانِ خسہ جانی ہے

خداوند رحیم و کریم نے تمام انبیاء و رسل میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو فضیلت بھی دے چکی ہے کہ
وہ قیامت کے دن سب کے شافع ہونگے حضور اپنے خالق و مالک سے لوگوں کو بخیر روانے کا اہتمام کریں گے۔

ادھر امت کی حسرت پر اُدھر خالق کی رحمت پر
زال طور ہو گا گردشِ چشم شفاعت کا
رسل و ملک پر درود ہو جائے ان کے شمار کو
مگر ایک ایسا دکھا تو دوا جو شفیع روزِ شمار ہے

احمد و حاکم کے نزدیک شفاعت سے استفادے کی خاطر پر ہیز گاری مصیبت قرض لینا باقی ہے۔
اپنی معنوں میں اقبال بھی جنہیں عسایاں پر فخر کرتے ہیں۔

دیکھی ہوئی کام آ رہی جاتی ہے جنہیں عسایاں عجیب شے ہے
کوئی اُسے دھوٹا بھرے ہے ورنہ شفاعت دکھنا دکھا کر

مدینہ طیبہ میں حاضری کی تمنا

سایہ دیوارِ دناک درہو یارب اور رخصا
خدا بخش دہم مقیم شوقِ محبت جم نہیں

سفرِ رحمتِ عالمین شیخ الاسلامین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من ذار قبوی وجبت لہ شفاعتی لکن نے میرے روحے کی زیارت کی اس کے لیے
میری شفاعت واجب ہو گئی

چنانچہ حضور کی شفاعت کے ملائین کے دل دوماں میں طیبہ کے جلوؤں سے مستفید و متغیر ہونے
کا شوق ناگزیر ہے۔ اعلیٰ حضرت کا خیال ہے کہ جب جان و دل، ہوش و خرد آقا کے حضور پہنچے
ہوئے ہیں، میں کیوں محروم رہوں۔

جان و دل، ہوش و خرد سب تر دینے پہنچے

تم نہیں ملتے رخصا، سارا تو سامان گیا

اُن کا کہنا ہے کہ جس کی تلک ہوں میں مدینہ طیبہ کی بہار سا جانے، اس کو گھلتا اُن جہاں
کہاں جیتے ہیں:

جب سے آنکھوں میں ساقی ہے دینے کی بہار

نظر آتے ہیں خزاں دیدہ گلستاں ہم کو

علامہ اقبال مخدوم الملک سیہ غلام میراں شاہ کے نام ۱۲ دسمبر ۱۹۳۷ء کے مکتوب میں
انہیں زیارتِ روحہ حضور کی سعادت پر پیشگی مبارک باوریش کرتے ہوئے کہتے ہیں "کاش
میں بھی آپ کے ساتھ چل سکتا اور آپ کی صحبت کی برکت سے مستفیض ہوتا لیکن انوس ہے کہ
جدا فی کے ایام ابھی کچھ باقی معلوم ہوتے ہیں۔ میں تو اس قابل نہیں ہوں کہ حضور کے مدد
مبارک پر یاد بھی کیا جا سکوں۔ تاہم حضور کے اس ارشاد سے حرات ہوتی ہے کہ الطالع لی "یعنی
گنہگار میرے لئے ہے۔ امید ہے کہ آپ اس دربار میں پہنچ کر مجھے فراموش نہ فرمائیں گے؟

را اقبال نامہ، حصہ اول، ص ۲۹-۲۸

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ علامہ اپنی حیات کے آخری دور میں عشق کی ان سادات سے
بہرہ ور ہوئے تھے، پہلے یہ عالم نہیں تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ

اور اکل کر اسے انہیں حضور سے بے حد عقیدت و ارادت تھی۔ چنانچہ ۱۹۳۷ء کے محلہ بالا خط سے نقل نظر ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو اکیر الہ آبادی کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

”خارجہ حسن نظامی دایم نشر لیت لے آئے مجھے بھی اُن سے محبت ہے اور۔“

ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتا ہوں۔ خدا آپ کو اور مجھ کو بھی نصرت و فضلہ و رسول نصیب

کرے۔ مدت سے یہ کہہ رہا ہوں کہ پرورش پا رہی ہے، دیکھتے کب جان جاتی ہے؟

(اقبال نامہ، حصہ دوم، ص ۳۶)

دینیہ اور دینیہ والے کا نام سن کر اقبال کی آنکھیں بے اختیار نم ہو جاتی تھیں۔ ۱۹۳۷ء

میں پہاڑ پر کے ایک پیر صاحب کے سفر حج کے ذکر سے اپنی عروزی کا احساس کر کے ان کی آنکھیں

نم ہو جاتی ہیں تو ان کی بہن کہتی ہیں کہ عام صحت کی خرابی کے علاوہ آپ کی آنکھوں میں تکلیف ہے

اس لئے آپ پریشانی کے بعد اگلے سال آپ بھی چلے جائیے گا۔ اس پر بڑے درد انگیز مگر پر شوق لہجے

میں فرمایا: ”آنکھوں کا کیا ہے۔ آخر اندھے بھی تو حج کر ہی آتے ہیں“ اتنا کہنے کے بعد آنکھوں سے

آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہو گئیں (درد نگار فقیر، علیہ دوم، ص ۲۰۵)

حضرت غلام جھیک نیرنگ ۱۹۳۷ء کے موسم سرما کے ایک روز کا ذکر کرتے ہیں کہ ”اقبال اس

وقت بہت کمزور تھے۔ سفر مزینہ کا ذکر بھی دہا کہنے لگے کہ میں قدر تھوڑی سی طاقت مجھ میں باقی ہے

میں اس کو دینیہ کے سفر کے لئے بچا بچا کر رکھ رہا ہوں۔ آنسوؤں کی آن کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی اور

وہ دنیا سے رخصت ہو گئے (اقبال، اکتوبر ۱۹۵۷ء، ص ۳۰)

درد نگار فقیر نے حضرت شیخ مخدوم کا ۱۹۳۸ء وفات سے تین ماہ پہلے کا ایک واقعہ لکھتے ہیں: ”ڈاکٹر

عبد اللہ چٹائی سفر یورپ پر جانے سے پہلے رخصتی ملاقات کے لئے علامہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

میری موجودگی میں انہوں نے چٹائی صاحب سے کہا کہ ”اگر اللہ نے مجھے صحت عطا کر دی تو میں بھی حجاز

کا سفر کروں گا۔ بظاہر یہ آرزو پوری ہوتی نظر نہیں آتی مگر وہ چاہے تو کچھ مشکل بھی نہیں ہے۔ یہ کہہ کر

مرحوم پر ایک کیفیت طاری ہو گئی اور ہم دونوں خاموشی کے ساتھ اس کیفیت کا زیادہ کرتے

رہے: (درد نگار فقیر، مئی ۱۹۷۲ء، ص ۷۰)

اقبال و احمد رضا دونوں اس قصور سے محفوظ رہتے ہیں، ایک خاص کیفیت کی لذت پاتے

ہیں کہ وہ آقا کے دربار میں حاضر ہیں، آنکھیں بند کر کے حضور کے قدموں پر پھینا رہ رہے ہیں۔

آہ وہ عالم کو آنکھیں بند۔ ادب پر درود

وقف، سنگ ورجیں، مرد خے کی جالی مالتھیں (درد خاں)

بیلائے، ہم نفس، ہم ہاں ہم

من در کشتہ مشابہ جلالیم

دو حسرتے بر سر در دل جویم

ہم پائے خواجہ چشماں را جلالیم (اقبال)

اقبال کے نزدیک محرابے عرب کی ہر ساعت دل نواز اور فرحت انگیز ہے۔ ان کا فائدہ فائدہ

ہماری طرح عیش حضور کے احساس سے منور ہے اس لئے اقبال کہتے ہیں کہ آقا کے دیار کے راستے میں

قدم اس انداز میں رکھنا چاہیے کہ مقدس ذہنوں کا تھکاؤ نہ ہو اور ان کی درود منی کا اثر ہم پر کیا جائے۔

چہ خوش صمد اکر شامش صبح خداست

شیش کوتاہ و روز اول بلند است

قدم اے راہرو! آہستہ تر نہ

چو ما ہر قدم از او بلند است

اس معاملے میں رضا بریلوی کا احساس اس سے کہیں زیادہ شدید ہے۔ ان کا خیال ہے کہ

قصہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گہر بار کا ہوا قدم رکھ کے چلا جائے، یہ غلط ہے۔

اس راہ میں دوسرے بل چلنا ادب کی شرط اولیٰ ہے۔

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا

ارے، سرکار موقوف ہے او جاننے والے

ہاں ہاں، مدینہ ہے، ظافل ذرا تو جاگ
اد پاؤں رکھنے دے ایہ جا پیشم دھر کی ہے

مدینہ کی طرف سفر جاری ہے، ماقبل کو اس سفر کا سوز و ساز آتا پلندہ آتا ہے کہ وہ سارا بار
سے طویل راہ سے لے چلنے کی درخواست کرتے ہیں نگہ جفا کی کے شعلے تیز تر اور آہ و فغاں
جنوں انگیز تر ہر جلتے۔

خیم راہی نشاط آمیز تر کن
فغانش را جزو انگیز تر کن
بگیر اسے سارا ہاں، داد و دانا
مرا سوز جفا کی تیز تر کن

احمد رضا بریلوی بھی مدینہ کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے
ان کے دھام کے خوابوں میں کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جس منزل کا عزم ہے، اس کی عظمت
کا تقاضہ یہ ہے کہ ان مصائب سے گزر کر آدمی دہان پہنچے اور راہی مشکلات
راہ کا خیال کرنے کے بجائے یہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ وہ کس بارگاہ میں حاضر
ہو رہا ہے۔

گرمی ہے، تپ ہے، درد ہے، کلفت سفر کی ہے
ناشکر! یہ تو دیکھ کہ نہفت کدھر کی ہے

اقبال کہتے ہیں کہ عیش و مصطفیٰ کا بغیر ہے کہ جہاں جنید و بابریہ عظیم المرتبت شخصیتیں نفسِ گرم
جو حاضر ہوتی ہیں، سلطانِ مدینہ سلطانِ دو عالم کا وہ دروازہ درویشوں کے لئے کھول دیا جاتا ہے۔
انہیں باریابی کی اجازت مل جاتی ہے۔

حکیمان را بہا کمتر نہادند
نادانان حبلۂ مستان را دند

بہ خوش بختی، چرخِ شرم دزد گارے
دور سلطان بہ درویشے کشاوند

اور ممتاز بریلوی کا موقف یہ ہے کہ جب سلطان کون و مکان یہ کرم فرماتے ہیں تو ہمیں پر یاد
رکھنا چاہیے کہ سرکار اس خاک پہ قدم رکھتے تھے چنانچہ ہمیں اپنا دل اس خاک پاک پر قربان کر دینا چاہیے۔

جہاں خاک پہ رکھتے تھے قدم سید عالم
اُس خاک پہ قربان دل دینا ہے ہمد
علامہ اقبالِ حقیقت اور خاکِ مدینہ کا موازنہ کرتے ہیں تو یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے:
میں نے سو گشتِ حقیقت کو کیا اُس پر نشا
دشتِ شیریں میں اگر نہ قدم خار آیا

اور کہتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر حقیقت میں جانا کون گوارا ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے
لئے انہیں بڑے پاؤں چلنے پڑے۔

جزاعت کو کھینچا تھا ہمیں مدینہ سے آج قرآن
ہزار مشکل سے اس کو نکالا، بڑے بہانے بنا کر

اعلیٰ حضرت بریلوی حقیقت کی شان و شوکت پر حیرت کا اظہار کرنے والوں کو سمجھاتے ہیں
کہ اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ یہ بھی تو دیکھو کہ حقیقت کا خاکِ مدینہ سے کیا تعلق ہے۔

اتنا عجب بندہ حقیقت پہ کس لئے
دیکھا نہیں کہ جیک یکن اور بچے مگر کی ہے

انہیں اس بات پر سخت تعجب ہے کہ جو لوگ مدینہ پاک سے حقیقت میں جلتے پر فائدہ
ہر جاتے ہیں وہ آخرو دہان کیا دیکھ کے جیتے ہیں، کیسے جیتے ہیں!!

طیبہ سے ہم آتے ہیں کیسے تو جان والو
کیا دیکھ کے جیتا ہے، جو واں سے یہاں آیا

اقبال مجرب خدا کی آرام گاہ اور مدینہ طیبہ کی خاک کی غفلت کا تصور کرتے ہیں تو انہیں
سرکار کے قدموں کی وجہ سے یہ شہر اور اس کا قدرہ و درہ دو عالم سے بہتر لگتا ہے۔

خاکِ شریب از دو عالم خوش تر است
اے خاکِ شہر سے کہ آنجا دلبر است
وہ خواب گاہِ مصطفیٰ کو کہجے سے سوا سمجھتے ہیں یہ یقین رکھتے ہیں کہ اسی کے دم
سے سب کچھ ہے :

وہ زمین ہے تو مگر اے خواب گاہِ مصطفیٰ
دیہ ہے کہجے کو تیری ریح اکبر سے سوا
خاتمِ ہستی میں تو تباہاں ہے مانندِ نگین
اپنی غفلت کی ولادت گاہ تھی تیری زمین
تجربہ میں راحت اس شہنشاہِ معظم کو ملی
جس کے دامن میں امان اقوام عالم کو ملی
آہ شریب دس ہے مسلم کا تو مادی ہے تو
فقطہ جاذبِ تاثر کی شاعروں کا ہے تو
جب تک باقی ہے تو دنیا میں باقی ہم بھی ہیں
میں سے تو اس چمن میں گھرِ شبنم بھی ہیں

رضا بریلوی بھی شہنشاہ کو نین کے دوسنے کو کہجے کا کہہ قرار دیتے ہیں زیارتِ خانہ کعبہ
کے بعد عاجزون کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں :

حاجو! آؤ، شہنشاہ کا روضہ دیکھو

کہہ تو دیکھ چکے، کہجے کا کہہ دیکھو

وہ پشتِ فلک کے غم ہونے کی توجہ دیں پیش کرتے ہیں :

غم ہو گئی پشتِ فلک اس طعنِ زمیں سے
شکں ہم پر بدینہ ہے، یہ گرتہ ہے ہمارا
ایک دوسرے مقام پر کہتے ہیں :

و آسمان کو یوں سرکشیدہ ہونا تھا
حضرتِ خاکِ مدینہ خسیدہ ہونا تھا

مگر منظرِ ملکِ رسالت کے سامنے یہ بے کراؤ تائے ہیں حکم دیا تو ہم
اس راہ پر چل پڑے، ورنہ ان کے سوا ہمارے کوئی منزل نہیں۔

توسر مودی، دمِ بطحا مگر قیمتی
دیگرہ حُسن تو مادا منزلی نیست
حضرتِ رضا کے ایمان و یقین کی بنیاد بھی یہی ہے کہ :

اس کے فضلِ حج بھی خدا نے کہا دیئے
اصلِ مرادِ حاضر ہی اس پاک در کی ہے
کہہ کا نام تک نہ لیا، طیبہ ہی کہا
پوچھا ہے ہم سے جس نے کہ نہفت کدھر کی ہے

وہ فرماتے ہیں کہ کل تک ہم کب کھانا کھا کر رہے تھے، آج ہم نے دیا سرکارِ دو عالم صلی اللہ
علیہ وسلم کا قصد کیا ہے تو کہہ ہم پر شاد ہے۔

ہم جائیں اور قدم سے پشتِ کرم کہجے
سونپا خدا کو تجھ کو، یہ غفلتِ سفر کی ہے
ہم گردِ کہہ چہرتے تھے گلِ ملک اور آج وہ
ہم پر شاد ہے، اے ارادت کدھر کی ہے

اقبال و رضا دونوں عشاقِ صادق کہ اس خیال سے وحشت ہوتی ہے کہ حضرت علیؑ کے دربار

میں ماضی کے بعد اپنی بھی ہوگی۔ وہ وہیں زندگی گزارنا چاہتے ہیں اور وہیں مرحلے کی تیار کتے ہیں۔
اعلیٰ حضرت رضا صاحب زیارت روضہ پاک سے واپس آتے ہیں تو یوں اپنے احاسات کو شعر کی زبان
میں ڈھال لیتے ہیں۔

یہ راسے کیا تھی دلموں سے پٹنے کی اسے نفس
ستم گر، اُلتی چٹری سے ہمیں حلال کیا
یہ کب کی مجھ سے عداوت تھی تجھ کو اسے ظالم
چھڑا کے سنگ در پاک سر و بال کیا
ترا ستم زدہ آنکھوں نے کیا بگاڑا تھا
یہ کیا سٹائی کہ دُور ان سے وہ جمال کیا
نہ گھر کا رکھا، نہ دُر کا اسے دلنے ناکامی
ہمسای بے بسی پر بھی نہ کچھ خیال کیا
مدینہ چھوڑ کے دیرانہ ہند کا چھایا
یہ کیسا اسے حواسوں نے اختلال کیا

وہ جانتے ہیں کہ سرکار کے در سے بھٹکے تو ٹھوکریں کمانا مقدر بن جانے کا چانچ ان
کا ایمان ہے کہ :

ٹھوکر کی کھاتے پھر دگے ، ان کے در پر پڑ رہو
ان کی خواہش ہے کہ اگر آتے دو عالم علی اللہ علیہ وسلم کی اجازت ہر تو ان کے در پاک
پر مستعداً اپنے سر کو جھکانے کا اہتمام کیا جائے۔

یہ سر ہوا در وہ خاک در وہ خاک در ہو اور یہ سر

رضا وہ بھی اگر چاہیں تو اب دل میں یہ ٹھانی ہے

اقبال در رضا اس خواہش میں بھی یک زبان ہیں کہ اگر قسمت یاوری کہے تو مدینہ منورہ

میں موت کی سعادت نصیب ہو۔ اعلیٰ حضرت کہتے ہیں :

”وقت مرگ قریب ہے اور میرا دل ہندوستان کا مغربی میں بھی مرنے کو نہیں
چاہتا ہے۔ اپنی خواہش یہی ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایمان کے ساتھ موت اور رقیع
مبارک میں خیر کے ساتھ دفن نصیب ہو۔“

رحیات اعلیٰ حضرت، ص ۱۳۱۶

اقبال بھی اس فتنے دل میں رخا کے رسم زبان ہیں :

اوروں کو دیں حضور یہ پیغام زندگی

میں موت ٹھوکتا ہوں زمین حباب میں

اقبال اپنی زندگی کا سب سے بڑی فتنہ کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں زندگی کے مختلف

مرحلہ، پہنچا ہوں مشکلات اور ظلم کدوں میں گھرا رہا ہوں مگر عرفان حقیقت کی منزل تک پہنچنے کے

بعد میری یہ آرزو آشک بن کر میرے ضمیر میں قیامت برپا کر گئی ہے۔ عرض دعا سے پہلے وہ اظہار

ندامت کرتے ہیں کہ میرا وہ عمل سے خالی ہے مگر آپ کی بے پایاں رحمت اور بکیراں کرم نے

مجھے جبرأت بخش دی ہے۔

آخر از مہلت چشم چکید

در خمید من ، ز ادا آئندہ

اسے زیادہ غیب تر جانم تھی

برہنہ کرم ، اگر فرمان دہی

زندگی را از عمل سامان نبود

ہیں مرا اپنی آرزو شایاں نمود

شرم از اظہار آرد آید مرا

شفقت تو جبرأت اغراید مرا

ان گزارشات کے ساتھ اس عاشق رسول نے اپنے آقا سے مانگا تو کیا مانگا۔ وہ عالم پر محبت کا میسر برسانے والے ہے کہ کرم کا ایک چھینٹا طلب کیا۔

ہست شان رحمت گیتی نواز
آرد و دارم کرم میسر در عباد
لو کہیم را دیدہ بیدار بخش
مرقدے را سایہ دیوار بخش

آرد و یہ ہے کہ سرزمینِ حجاز میں موت نصیب ہوا اور امتدادِ عابد ہے کہ آپ کے سایہ دیوار میں قبر کی جگہ ملے۔ سبحان اللہ۔

خدا کی قربان کی یہ تھی مگر جو ایہ کہ انہیں آقا کے دربارِ ابدِ پناہ میں حاضری کا موقع بھی نہ مل سکا لیکن جہاں تک ان کے عشق رسول کا تعلق ہے غلام بھیک نیزنگ کا خیال ہے کہ اگر اقبال دہلی حاضری دیتے تو پھر وہی نہ آ سکتے۔

”اقبال کا ظلمی تعلق حضور سرور کائنات کی ذاتِ قدسی صفات سے اس قدر نازک تھا کہ حضور کا ذکر آتے ہی ان کی حالت دگرگوں ہو جاتی تھی، اگرچہ وہ خود ضبط کر لیتے تھے، چونکہ میں بادِ بات کی یہ کیفیت دیکھ چکا تھا، اس لئے میں نے ان کے سامنے تو نہیں کہا مگر خاص خاص لوگوں سے بطورِ راز ضرور کہا کہ یہ اگر حضور کے مرتدِ پاک پر حاضریوں کے تو ذمہ داریاں نہیں آئیں گے، وہیں جاں بحق ہو جائیں گے۔“

(اقبال - اکتوبر ۱۹۵۵ء ص ۳۰)

غرض مدینہ والے کے ساتھ ان دونوں عظیم شخصیتوں کی محبت اس درجے پر تھی کہ دیارِ پاک میں حاضری کی تمنا نے دونوں کو بے چین رکھا۔ ایک کو خدا نے توفیق بخشی اور وہ اس سعادت سے سیرہ یاب ہو گئے اور دوسرے کو تو رُپ کی لذت میں شاکاں عطا کی گئی۔

تقدیریت

اقبال درمنا کی حسبِ رسول کا تجرہ تھا کہ ان دونوں نابھہ حضرات کو صحابہ کرامؓ اور اہلِ اللہ اور بزرگانِ دین سے دلی عقیدت تھی یا یہ کہنا جا سکتا ہے کہ صلواتِ است اور اولیائے کرام سے اس تعلقِ خاطر ہی کے باعث انہیں حضورِ حاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق تھا۔ اعلیٰ حضرت علیہم اہمکت امام احمد رضا بریلوی کا مسلک ہی محبت اور اولیائے کرام ہے۔ اور حکیم الامت علامہ اقبال نے حضرت مجددِ ملت ثانی حضرت نظام الدین اولیاء حضرت اورنگ زیب عالمگیر حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری اور حضرت برہنہ پانی پتی رحمہم اللہ تعالیٰ اچھی ہستیوں کو جن الفاظ میں غراچہ عقیدت پیش کیا ہے وہ اہل عشق و محبت کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ ان تمام ہستیوں یعنی اولیائے کرام کا سب سے بڑا صفت عشق رسول ہے جس سے ان کے دل روانہ سرشار تھے۔ اسی لئے یہ حضرات اقبال درمنا کے مدوح اور محبوب ٹھہرے۔

یہ دونوں معتزلی شخصیتیں حضرت غوث اعظم محی الدین چلبانی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ نقوت سے منسلک تھیں۔ اسی نسبت سے ان کا برہنہ سر عشق رسول سے ملوث تھا۔

سلسلہ قادریہ میں بیعت کی سعادت سے محروم یہ دونوں حضرات ہی مشرقت نہیں ہوئے تھے۔ ان دونوں کے والد بھی اسی سلسلے سے منسلک تھے اور شاید اس سے بھی زیادہ ان میں ایک قدر شریک یہ بھی ہے کہ دونوں اپنے بزرگوں کے ساتھ ان کے روحانی پیشواؤں کے حضور حاضر ہونے اور شرفِ بیعت حاصل کیا۔

”اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ۵ جمادی الثانی ۱۲۹۴ھ کو اپنے والد ماجد رسولناقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ کی محبت میں سید المرسلین، سدا کا ملین حضرت سیدنا شاہ آلِ رسول تاجدارِ ابراہیم کے دستِ اقدس پر بیعت کی۔۔۔ حضرت شیخ نے اسی وقت دونوں حضرات کو خلافت، سند حدیث اور تمام سلسلوں کی اجازت سے نوازا دیا۔“

کتابیات

بال جبریل	از علامہ محمد اقبال
بانگ درا	"
ارمغانِ حجاز	"
ضربِ کلیم	"
پیامِ مشرق	"
زبورِ عجم	"
اسرار و رموز	"
پس چہ باید کرد	"
جاوید نامہ	"
جاوید نامہ ترجمہ : انعام اللہ خاں ناکھو و نظیر گودھیالوی	
اقبال نامہ حصہ اول، دوم	مرتبہ : شیخ عطاء اللہ
فیضانِ اقبال	از شورش کاشمیری
روزگارِ فقیر جلد دوم	از فقیر سید وحید الدین
گفتارِ اقبال	از محمد رفیق فضل
دائے راز	از سید واجد رمنوی
اقبال اور عشقِ رسول	از رئیس احمد جعفری
آثارِ اقبال	مرتبہ : غلام دستگیر رشید
آئینہ اقبال	مرتبہ : محمد عبداللہ دستگیر
انوارِ اقبال	مرتبہ : بشیر احمد ڈار

مقالاتِ اقبال	مرتبہ : سید عبدالواحد معینی
مطالعہ اقبال	از سرحد فرشتا بی
مدافعِ بخشش	از علی حضرت احمد رضا بریلوی
احکامِ شریعت	"
خالص الاعتقاد	"
المفروض	"
پادِ علی حضرت	از محمد عبدالکیم شرف قادری
اشاہ احمد رضا بریلوی	از مفتی غلام سرور قادری ایم اے
مقالاتِ یومِ رضا حصہ اول، دوم، سوم	از قاضی عبدالغنی کوکب ایم اے و حکیم محمد موسیٰ امرتسری
سوانحِ علی حضرت	از مولانا بدرالدین احمد
پہچاننامہ یومِ رضا	مرتبہ : محمد مقبول احمد قادری
مولانا احمد رضا خاں کی فقہیہ شاعری	از ملک شیر محمد اعوان
اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر	از سید ذور محمد قادری
تعارفِ علی حضرت	از عبودنی محمد اکرم اے سی ایم اے
عاشقِ رسول	از ڈاکٹر محمد محمود احمد ایم۔ ایچ پی ایک ڈی
جامع الصغائر	از سید محمود احمد رمنوی
اردو کی نعتیہ شاعری	از ڈاکٹر فرمان فتحپوری
تہی مقامے	از حافظ عبدالستار نظامی
ماہنامہ فکر و نظر اسلام آباد - سیرت نمبر مارچ ۱۹۶۶ء	
ماہنامہ مسرہ لاہور - عید میلاد النبی نمبر ۱۹۶۱ء	

ماہنامہ "مرچنٹ" لاہور - عید میلاد النبی نمبر ۱۹۷۲ء

ماہنامہ "بیسز کراچی" عید میلاد النبی نمبر ۱۹۷۲ء

ہفت روزہ "الہام" بہاولپور - اعلیٰ حضرت نمبر ۱۹۷۵ء

ماہنامہ "نیگم خیال" اقبال نمبر ۱۹۳۲ء

ماہنامہ "ستارہ" لاہور - اقبال نمبر ۱۹۶۳ء

ماہنامہ "انجمن" لاہور - امام احمد رضا نمبر ۱۹۷۶ء

ماہنامہ "فیض رضا" لاہور - اعلیٰ حضرت نمبر ۱۹۷۰ء

"الجمعیۃ" دہلی - ابراہیم آزاد نمبر ۱۹۷۰ء

ماہنامہ "ستارہ" لاہور - عبدالعزیز خالد نمبر

ماہنامہ "ضیائے عرم" لاہور - اپریل ۱۹۷۵ء

ہفت روزہ چٹان - لاہور - ۲۰ اپریل ۱۹۵۹ء

ماہنامہ "نیائے عرم" لاہور - مارچ ۱۹۷۳ء

"اقبال ریویو" کراچی - جولائی ۱۹۶۰ء

ماہنامہ "منکرونظر" اسلام آباد - اپریل ۱۹۷۹ء

"اقبال" لاہور - اکتوبر ۱۹۵۷ء

ماہنامہ "آئینہ" لاہور - اپریل ۱۹۶۵ء

روزنامہ "انقلاب" لاہور - ۷ جولائی ۱۹۶۷ء

ماہنامہ "فکر و نظر" اسلام آباد - جنوری ۱۹۷۶ء

ماہنامہ "ترجمان اہلسنت" کراچی - فروری ۱۹۷۵ء

"اقبال" لاہور - اکتوبر ۱۹۵۳ء

ماہنامہ "صوفی" پٹنہ بیہار الدین اکتوبر ۱۹۶۶ء

تبصرہ

روزنامہ نوائے وقت لاہور (۱۰ مئی ۱۹۷۸ء)

"فاضل مصنف نے آغاز میں عشق رسول کی حقیقت قرآنی آیات کی روشنی میں بیان کی ہے اور پھر دونوں شخصیتوں کے کردار و سیرت کی تشکیل میں اس جذبے کی کارفرمائی کی مثالیں پیش کی ہیں عشق رسول مقبول کی اہمیت پر ان دونوں بزرگوں کے اشعار، مکتوبات اور دیگر تحریریں بھی کتاب میں شامل ہیں۔ اس طرح کتاب ایک اہم دستاویز بن گئی ہے مصنف خود عشق رسول مقبول سے بہرہ ور ہیں۔ چنانچہ کتاب کی تدوین اسی جذبے کے ساتھ کی گئی ہے۔ انداز بیان بڑا صاف اور مؤثر ہے۔ یہ کتاب ہر پاکستانی کے مطالعہ میں آنی چاہیے تاکہ وہ ایک مسلمان کی زندگی میں عشق رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت سے آگاہ ہو کر دین و دنیا میں نجات کی اصل راہ پر گامزن ہو سکے۔"

(مسعود جاوید بھٹانی)

روزنامہ مساوات لاہور (۱۶ فروری ۱۹۷۸ء)

"راجا رشید محمد ہمارے ملک کے جانے پہچانے شاعر اور ادیب ہیں۔ انہوں نے ثابت کیا ہے کہ جس طرح شاعر مشرق نے عشق رسول میں مذہب کو بند پایہ اظہار کیے اور حضور نبی کریم کی مدحت سرائی کی ہے اسی طرح اعلیٰ حضرت کی ساری زندگی کا مرکز و محور محض عشق رسول ہے۔ اس لحاظ سے یہ دونوں نہایت ایک ہی قافلے کے مسافر اور ایک ہی منزل کے راہی تھے۔ دونوں کی فقیہ شاعری میں عشق رسول کا بھرپور احساس ملتا ہے۔ مصنف نے پاک و ہند کے ممتاز ادیبوں اور نقادوں کی وہ آرا بھی پیش کر دی ہیں جو انہوں نے شاعر مشرق اور اعلیٰ حضرت کی فقیہ شاعری کے متعلق دی تھیں۔"

(ایم طفیل - ایسے)

روزنامہ جنگ کراچی (۵ مئی ۱۹۷۸ء)

"شاعر مشرق علامہ اقبال اور حضرت احمد رضا بریلوی ہماری تاریخ کے دو بڑے نام ہیں اور دونوں عشق رسول میں سرشار تھے۔ راجا رشید محمود نے اسی حوالے سے یہ مختصر کتاب تالیف کی ہے۔ شاعری میں نعت گوئی مشکل بھی ہے اور موضوع کے لحاظ سے بہت نازک بھی مگر علامہ اقبال اور حضرت رضا بریلوی نے اپنے اپنے مخصوص انداز میں اس میں وہ کمال پیدا کیا جو دوسروں کو نصیب نہ ہو سکا۔ اس کتاب میں اسی پہلو کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مؤلف نے مختلف تحریروں کے حوالے سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت رضا بریلوی کا نعتیہ کلام علامہ اقبال کی نظر میں تھا۔"

روزنامہ جہارت کراچی (۱۰ مارچ ۱۹۷۸ء)

"دونوں زعمائیں جو انداز مشترک تھے اُن میں سے عشق مصطفیٰ کو کوئی اولیت اور فوقیت حاصل تھی۔ اقبال بنیادی طور پر اپنے فکر اور اپنے جذبے کو اپنی شاعری کے ذریعے پیش کرتے تھے لیکن مولانا احمد رضا خاں نے اپنی نثری تصانیف کے علاوہ یہی جذبہ اپنی نعتوں کے ذیل سے بھی پیش کیا ہے۔ اردو اور فارسی کی نعتیہ شاعری میں اقبال ایک منفرد اور امتیازی مقام رکھتے تھے۔ اسی طرح مولانا احمد رضا خاں کا نعتیہ کلام اس مرتبے کا ہے کہ انہیں صفِ اول کے نعت گو شعراء میں جگہ دی جاسکتی ہے۔ انہیں بھی زبان کے ساتھ ساتھ فن پر پورا عبور حاصل تھا۔ کتاب ان دونوں زعمائی خصوصیاتِ نعت گوئی کے جائزے پر مشتمل ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اس میں خصوصیت سے مصنف نے علامہ اقبال کے ان خیالات کو بھی بیان کیا ہے جو وہ مولانا احمد رضا خاں کی بابت رکھتے تھے۔"

اس میں ان عناصرِ فکری کا جائزہ بھی لیا گیا ہے جو ان دونوں میں مشترک اور حاوی نظر آتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ کتاب قابلِ مطالعہ ہے۔"

روزنامہ حیات لاہور (۲۸ فروری ۱۹۷۸ء)

"وہ لوگ جنہیں ادیب یا مصنف کہا جاتا ہے، راجا رشید محمود ان میں شاید پہلے شخص ہیں جن کے ظاہر اور باطن میں مجھے کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ ادبیت کے اس تاریک اور گھبرائیلوں کے دور میں راجا رشید محمود نے روحانیت کی ایک نئی سی شمع جلا رکھی ہے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں سرتاپا غرق راجا صاحب اپنی زندگی کو حضور کی نظرِ کرم کا کبر شمع اور خداوندِ قہار کا عطیہ سمجھتے ہیں۔ اقبال و احمد رضا کی تالیف میں انہوں نے اسی حقیقت کو پیش نظر رکھا ہے۔۔۔ کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ راجا صاحب نے اس کتاب پر نہ صرف انتہائی محنت صرف کی ہے بلکہ مختلف حوالہ جات کو یکجا کرنے اور پھر ان کے انتخاب کے سلسلے میں کافی عرق ریزی سے کام لیا ہے، کتاب کے آغاز میں امام احمد رضا بریلوی کی شفقت اور ان کی نعتیہ شاعری کے بارے میں مختلف علماء کرام اور اوابہ عظام کے رشحاتِ علم دیئے گئے ہیں جن کی روشنی میں حضرت احمد رضا بریلوی کی ایک سچی اور بکھری ہوئی تصویر نگاہوں کے سامنے آتی ہے، اس کے بعد مختلف اشعار کے حوالے سے علامہ اقبال اور احمد رضا بریلوی کی ذہنی ہم آہنگی، فکری یگانگت اور روحانی قدر مشترک ثابت کی گئی ہے۔"

(علیگٹ خانہ)

روزنامہ مغربی پاکستان لاہور (۷ مارچ ۱۹۷۸ء)

"ذہیر نظر کتاب شہور مؤلف و مصنف راجا رشید محمود کی تازہ دینی و ادبی

کاوش ہے۔ اس کتاب میں فاضل مصنف نے علامہ اقبال اور شاہ احمد رضا کی بریلوی کی نعت محوی اور عشق رسول کا موازنہ کیا ہے۔۔۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی اس کوشش میں خاصی حد تک کامیاب رہے ہیں۔۔۔ اقبال و احمد رضا تحقیقی اعتبار سے ایک بلند پایہ کتاب ہے۔“ (نقاد)

ہفت روزہ آفتی کراچی (۱۶ اپریل ۱۹۷۸ء)

”کتاب میں برصغیر پاک و ہند کی دو عظیم شخصیات شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ اقبال اور اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی کی فکری یکسانیت، خاص طور پر نعتیہ شاعری میں تفکر کی مماثلت کو بڑے تحقیقی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ کتاب میں دیگر اہل علم حضرات کی اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری کے بارے میں آراء، اقبال و احمد رضا کا تعلق، عشق و حرام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر عنوانات پر محققانہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔“

ماہنامہ شام و سحر لاہور (جون ۱۹۷۸ء)

”مولانا احمد رضا خان برصغیر میں دو قومی نظریہ کے زبردست مبلغ تھے۔ انہوں نے ۱۹۲۰ء میں گاندھی کی تحریک ترک موالات کے خلاف آواز بلند کر کے متذہبیت و ہندو مسلم اتحاد کی شدید مخالفت کی تھی۔ علامہ اقبال نے اس سے پہلے ۱۹۰۸ء میں اپنے ہی ملکی ترانے کے جواب میں ملی ترانہ لکھ کر دو قومی نظریہ کا اظہار کیا تھا۔ اگرچہ کوئی نئی بات نہیں، دو قومی نظریہ تو چودہ سو سال پیشتر اسلام کے ظہور کے ساتھ ہی (کفر و اسلام کی شکل میں) عالم وجود میں آگیا تھا۔ بہر حال یہ دونوں بزرگ اینٹسٹ مسلمانوں کے خلاف برصغیر میں دو قومی نظریہ کے علمبردار تھے جس کے ماتحت پاکستان وجود عالم وجود میں آیا۔ اقبال و احمد رضا“ میں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی دلائل

کے تذکرے کے ساتھ ان دونوں بزرگوں کے جذبات عشق رسول کا بیان ہے جو بہت دلچسپ ہے۔۔۔۔۔ کتاب میں دونوں بزرگوں کے نعتیہ اشعار کے مختلف ہندوس کا تقابل نہایت خوش اسلوبی اور بالغ نظری سے کیا گیا ہے۔ مولف کی یہ محنت قابلِ داد ہے۔ (اصغر حسین خاں نظیر لدھیانوی)

ماہنامہ فیضان لاہور (اگست ۱۹۷۸ء)

”زیر تبصرہ کتاب میں نے اقبال و احمد رضا کی ایک قدر مشترک، عشق رسول پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور اس کے جملہ پانچوں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ دونوں عاشقان رسول کے نعتیہ کام کے ساتھ ساتھ ان کی زندگی کے ایسے واقعات و حالات بھی بطور شواہد پیش کئے ہیں جو عشق رسالت پناہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ کتاب تیس ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب اپنی جگہ پر ایک جامع اور وسیع مقالے کی حیثیت رکھتا ہے۔ کتاب کی ترتیب و تدوین میں مرتب نے ساٹھ کتب درسا کی سے استفادہ کیا ہے جس سے ان کی محنت اور عرق ریزی کا پتا چلتا ہے۔۔۔۔۔ یہ کتاب ہر لحاظ سے عاشقان اقبال اور عاشقان رضا کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ کی حیثیت رکھتی ہے۔“ (سید نور محمد قادری)

ماہنامہ کتاب لاہور (اپریل ۱۹۷۸ء)

”حکیم الامت علامہ محمد اقبال اور مجدد دین و ملت مولانا احمد رضا خان بریلوی کی قدر مشترک۔۔۔“ عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قلم اٹھانے کی سعادت ممتاز نعت گو شاعر اور ادیب راجا رشید محمود کے حصے میں آئی۔۔۔۔۔ مولف نے اپنی اس کتاب کے ذریعے اقبالیات کے سلسلے میں ایک گرانقدر اضافہ کرنے کے ساتھ

